مطالعہ پاکستان

بارھویں جماعت کے لیے

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

فہرست اسباق

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
1	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام	1.
28	اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ابتدائی مسائل	2.
46	ارضِ پاکستان	3.
66	پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے اقدامات	4.
85	پاکستان کا حکومتی ڈھانچہ اور اچھا نظامِ حکومت	5.
116	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ثقافت (کلچر)	6.
136	پاکستانی زبانیں	7.
147	قومی یک جہتی اور خوشحالی	8.
157	اسلامی جمہوریہ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی اور ترقی	9.
185	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی	10.
201	پاکستان کے مسائل	11.

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام

پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے جس کی بُنیاد دو قومی نظریہ اور نظریہ پاکستان پر رکھی گئی ہے۔ پاکستان بنانے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی اور اس کے قیام کے مقاصد کیا تھے؟ ان سوالات کا جواب ڈھونڈنے کے لیے نظریہ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کا پس منظر جاننا انتہائی ضروری ہے۔

نظریہ کیا ہے؟

نظریہ پاکستان کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں نظریے کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا ہوگا۔ ہر انسان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اُس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی عقل، سوچ اور فکر کے مطابق اپنا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔ اس طرح ہر قوم کا بھی ایک اجتماعی مقصد ہوتا ہے جس کے حصول کے لیے وہ قوم اپنے ماضی کی روایات اور اقدار کو مدِ نظر رکھ کر، اپنی اجتماعی سوچ اور فکر کو بروئے کار لا کر اپنے مشاہیر کی رہنمائی میں مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتی ہے۔ اِس اجتماعی سوچ اور فکر کو اُس قوم کا نظریہ کہتے ہیں۔ مختصراً کسی قوم کا نظریہ اُس قوم کی شناخت کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے اور اُسے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اِس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نظریہ قوم کے ماضی، حال اور مستقبل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ماضی میں قوموں کی ابتداء اور شناخت ہوتی ہے۔ حال میں قوم اپنے مستقبل کے مقاصد کا تعین کرتی ہے اور اُن کے حصول کے لیے جدوجہد کرتی ہے، جبکہ مستقبل میں اُن قومی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

نظریے کی اہمیت

ایک مشترکہ نظریہ کسی بھی قوم کے افراد میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ ایک نظریاتی قوم کے سامنے ایک واضح نصب العین ہوتا ہے اور اہم فیصلے کرتے وقت اُس قوم کے افراد

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03

کبھی تذبذب کا شکار نہیں ہوتے۔ جب ایک نظریاتی قوم ایک ریاست قائم کرتی ہے تو اُس کا نظریہ اُس کی ریاست کے آئین اور قانون کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور آئین سازی اور قانون سازی میں اُس قوم کی رہنمائی کرتا ہے۔

کسی نظریے کے وجود میں آنے اور پھلنے پھولنے میں قوموں کی تاریخ، مذہبی عقائد، معاشرتی اقدار اور تہذیب و ثقافت بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ مگر وجود میں آنے کے بعد نظریہ ہی اُس قوم کے عقائد، اقدار، تہذیب اور ثقافت کا بہترین محافظ ثابت ہوتا ہے۔ جس قوم کا نظریہ جتنا مضبوط اور نقائص سے پاک ہوتا ہے وہ قوم تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے اُتنی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ نظریاتی قومیں کسی بھی مشکل صورتحال کا بھرپور مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں کیونکہ اُن کے پاس ہر مشکل کو حل کرنے کے لیے بنیادی رہنما اُصول نظریے کی شکل میں موجود ہوتے ہیں جن پر عمل کر کے وہ تمام مشکلات پر قابو پا لیتے ہیں۔

نظریہ پاکستان کا ارتقا

نظریہ پاکستان کی اصطلاح اُس بنیادی سوچ اور عقیدے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو قیامِ پاکستان کی بنیاد بنا۔ اِس نظریے کا مقصد برِصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ اور آزاد وطن کا حصول تھا جہاں وہ اپنی ثقافت اور مذہبی اقدار کے مطابق آزادی سے اپنی زندگی گزار سکیں۔

نظریہ پاکستان کی بنیاد ''دوقومی نظریے'' پر رکھی گئی جس کے خالق سرسید احمد خان تھے۔ وہ شروع شروع میں ہندو مسلم اتحاد کے پرجوش حامی تھے۔ ہندوستانی قومیت کے فلسفے پر یقین رکھتے تھے مگر بعد میں وہ اِس بات کے قائل ہو گئے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں جن کی تاریخ، ثقافت، معاشرتی اقدار اور مذہبی عقائد ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہی دوقومی نظریہ بعد میں نظریہ پاکستان کی شکل اختیار کر گیا اور قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔

دوقومی نظریے کی ابتداء برِصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد سے ہوتی ہے۔ قائداعظم نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں 8 مارچ 1944ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان اُسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دِن ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEEF AHMAD 03...

مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہء توحید پر ہے، وطن اور نسل پر نہیں۔ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا بلکہ ایک جُداگانہ قوم کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔"

قائداعظم کا یہ ارشاد نظریہ پاکستان کی مکمل ترین وضاحت ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں سے پہلے جتنی بھی اقوام ہندوستان میں آئیں وہ یہاں کی قومیت میں ضم ہو گئیں اور ہندوستانی ثقافت کا حصہ بن گئیں لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ ہندوستان میں اپنی الگ قومی شناخت کو برقرار رکھا۔ اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں نے ہندوستان کے ایک وسیع علاقے پر ایک لمبے عرصے تک حکمرانی کی۔ یہاں کی سیاست میں ان کا ایک اہم اور بنیادی کردار رہا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کا زوال شروع ہوا اور بالآخر انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھین کر ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات اور مصیبتوں کا دور شروع ہوا۔ چونکہ انگریز مسلمانوں سے خائف تھے اور اُنھیں خدشہ تھا کہ مسلمان کسی بھی وقت اپنا اقتدار دوبارہ بحال کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں اس لیے اُنھوں نے مسلمانوں کو پس ماندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ دوسری طرف ہندوؤں نے اِس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھایا اُنھوں نے نہ صرف انگریزوں کا اعتماد حاصل کیا بلکہ انگریزی زبان سیکھ کر اور جدید مغربی علوم کی تعلیم حاصل کر کے مسلمانوں سے بہت آگے نکل گئے۔ آبادی کے لحاظ سے وہ پہلے ہی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھے۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہندوؤں کے ساتھ رواداری اور انصاف کا برتاؤ کیا۔ مسلمان حکمرانوں نے کبھی بھی ہندوؤں کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس وجہ سے مسلمان یہاں سینکڑوں سال حکومت کرنے کے باوجود اقلیت میں رہے لیکن انگریزوں کے دور میں ہندوؤں نے اپنی عددی برتری کا بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اُنھوں نے انگریز حکومت سے ہندوستان میں مغربی جمہوری نظام کے تحت انتخابی اُصول رائج کرنے کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد اُس وقت کے کئی یورپی ممالک کی آبادی سے زیادہ تھی مگر خالص مغربی جمہوری نظام رائج ہونے کی صورت میں وہ ہمیشہ کے لیے ایک غیر مؤثر اقلیت بن جاتے اور ہندو اکثریت میں ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اُن پر حکومت کرتے۔

مسلمان جمہوری اُصولوں اور جمہوری طرزِ انتخابات کے مخالف نہیں تھے مگر کچھ متعصب ہندو

MEGA BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD

لیڈروں کی تنگ نظری اور مسلمانوں کے بارے میں اُن کے منفی ارادوں نے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان مستقبل کے سیاسی نظام میں اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے تھے۔ ابتداء میں انھوں نے متحدہ ہندوستان کے اندر اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کیا مگر جب انتہا پسند ہندوؤں نے مسلمانوں کے تمام جائز مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد وہ مکمل طور پر ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ یہی وہ دور ہے جب مسلمانوں میں اپنی الگ قومیت کے ہونے کا احساس ابھرنے لگا۔ اسی الگ قومیت کے تصور کو سرسید احمد خان نے دو قومی نظریے کی شکل میں پیش کیا جس نے نظریہ پاکستان کو جنم دیا اور مسلمانوں نے بالآخر اپنے لیے ایک الگ ریاست کے قیام کا مطالبہ شروع کیا۔

اگرچہ مختلف مواقع پر کئی مسلمان راہنماؤں نے ہندوستان کو دو یا دو سے زیادہ ریاستوں میں تقسیم کرنے اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا مگر 1930ء میں علامہ محمد اقبالؒ نے الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے دو قومی نظریے کی وضاحت کی اور دلائل سے ثابت کیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ لہٰذا مسلمان اکثریتی علاقوں کو ملا کر ایک مسلمان ریاست قائم کی جائے۔ اسی زمانے میں کیمبرج یونیورسٹی کے چند مسلمان طلبہ[1] نے ایک پمفلٹ جاری کیا جس کا عنوان تھا "ابھی یا کبھی نہیں (Now or Never)"۔ اس پمفلٹ میں نہ صرف ایک مسلمان ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا بلکہ اس ریاست کے نام کے طور پر پہلی دفعہ لفظ "پاکستان" استعمال کیا گیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مقام پر دو قومی نظریے نے نظریہ پاکستان کی شکل اختیار کر لی کیونکہ دو قومی نظریہ میں صرف اس حقیقت کو بیان کیا گیا تھا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں لیکن اس میں ایک الگ مسلمان ریاست کے قیام کا ذکر نہیں تھا جبکہ نظریہ پاکستان میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کی تقسیم اور مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست کے قیام کا مطالبہ مرکزی اہمیت کا حامل تھا۔

قیام پاکستان سے پہلے نظریہ پاکستان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ:-

اسلامی ثقافت کا تحفظ اور مسلمان اکثریتی علاقوں میں ایک علیحدہ مسلمان ریاست کا قیام جہاں مسلمانوں کو وہ تمام مواقع حاصل ہوں جن کی مدد سے وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزار سکیں۔

جب کہ قیامِ پاکستان کے بعد نظریہء پاکستان کا اہم ترین مقصد ایک ایسے نظامِ حکومت کا رائج کرنا تھا

---

1. چوہدری رحمت علی، محمد اسلم خان خٹک، غلام عباس
شیخ محمد صادق اور عنایت اللہ خان آف چارسدہ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS

جس کے تحت تمام ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔

نظریہ پاکستان کے اجزائے ترکیبی

نظریہء پاکستان کے اجزائے ترکیبی میں چار بنیادی عناصر شامل ہیں:۔

1۔ اسلام

نظریہ پاکستان کا پہلا اور سب سے اہم جزو اسلام ہے۔ اس نظریے کی بنیاد مذہب اسلام پر رکھی گئی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی الگ قومیت کی بنیاد مذہب تھا اور اسی بنیاد پر دوقومی نظریہ وجود میں آیا جو بعد میں نظریہ پاکستان کی شکل اختیار کر گیا۔

2۔ جمہوریت

جمہوریت کی اساس اکثریت کی رائے کا احترام ہے مگر اس کے ساتھ اقلیت کے حقوق کا تحفظ اور اظہار رائے کی آزادی بھی جمہوریت کا لازمی حصہ ہیں۔ جمہوریت کا ایک اور اہم جزو حقِ خود ارادیت (Right of Self Determination) بھی ہے جس کے تحت دُنیا کی تمام اقوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔ اسی اصول کا استعمال کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا۔

3۔ معاشرتی انصاف اور مساوات

نظریہء پاکستان کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جہاں معاشرتی انصاف اور مساوات کے اصولوں کے مطابق سب طبقوں کو برابری کی بنیاد پر یکساں حقوق حاصل ہوں۔ اگرچہ یہ مقصد تا حال حاصل نہیں ہو سکا مگر اس کے حصول کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499815886

4۔ بنیادی انسانی حقوق

بنیادی انسانی حقوق میں انسانی زندگی کا تحفظ، عزت اور ملکیت کا تحفظ، مذہبی عقائد اور عبادات کی آزادی، اظہار رائے کی آزادی اور باعزت روزگار کا حصول ہیں۔ چونکہ متحدہ ہندوستان میں، خاص طور پر مسلمان اقلیتی صوبوں میں، ان بنیادی انسانی حقوق کو نظر انداز کیا جا رہا تھا اور مسلمانوں کا استحصال ہو رہا تھا، اس لیے ان حقوق کا حصول اور ان کا تحفظ نظریہ پاکستان کا ایک بنیادی عنصر تھا۔

تحریک پاکستان کا مختصر تاریخی پس منظر

پاکستان کا قیام برِصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد اور اسلام کی اشاعت کا نتیجہ تھا۔ جنوبی ایشیاء کے ساتھ عربوں کے کافی پرانے تجارتی تعلقات تھے۔ ظہورِ اسلام کے بعد مسلمان بزرگانِ دین نے تبلیغ کی غرض سے جنوبی ایشیاء کا رُخ کیا۔ ان بزرگانِ دین کی آمد کا سلسلہ 712ء میں سندھ پر عربوں کے حملے کے بعد مزید بڑھا۔

712ء میں ایک بہادر مسلمان جرنیل محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا اور یوں سندھ اور ملتان کے علاقوں پر عربوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ جس کے فوراً بعد یہاں ہر شہر اور قصبے میں مساجد بنائی گئیں اور اسلامی علوم کی تدریس کے لیے بہت سے مدارس بھی کھولے گئے۔ مسلمان بزرگانِ دین نے سندھ میں اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا کام شروع کیا اور اُن کی کوششوں سے بڑی تعداد میں مقامی لوگ مسلمان ہوئے۔

شمالی ہندوستان میں اسلام کی اشاعت محمود غزنوی کے زمانے سے شروع ہوئی۔ 1005ء میں شیخ اسماعیل بخاریؒ لاہور تشریف لائے اور آپ کی تبلیغ سے روزانہ سینکڑوں لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ حضرت علی ہجویریؒ (حضرت داتا گنج بخشؒ) بھی اسی دور میں لاہور تشریف لائے اور آپ کی کوششوں سے ہزاروں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

سلطنت دہلی کے قیام کے ساتھ ہندوستان میں اسلامی علوم اور فنون کو فروغ حاصل ہوا۔ سلاطین دہلی کے دور میں متعدد علماء و مشائخ برصغیر تشریف لائے اور یہاں ایک مسلم معاشرے کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے پنجاب سے گزر کر اجمیر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

حضرت فرید الدین شکر گنجؒ نے پاک پتن کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ان کی تعلیمات اور اخلاق سے ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ جنوب مغربی پنجاب میں حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کی کوششوں سے بہت سی غیر مسلم قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

اسی دور کے مسلمان صوفیائے کرام میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کا نام بھی شامل ہے۔ آپ اور آپ کے مریدوں کی تبلیغ سے شمالی ہند اور دکن کے ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ ان کے علاوہ پنجاب میں سلطان سخی سرورؒ، کشمیر میں حضرت بُلبل شاہؒ اور سید علی ہمدانیؒ ، جب کہ بنگال اور آسام میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے اسلام کی اشاعت اور تبلیغ میں بنیادی کردار ادا کیا۔

برصغیر میں مسلمانوں کے اقتدار کا قیام اور عروج

شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کی بنیاد 1192ء میں شہاب الدین محمد غوری نے رکھی۔ 1206ء میں شہاب الدین محمد غوری کی وفات کے بعد قطب الدین ایبک نے جس حکومت کی بنیاد رکھی اُسے خاندانِ غلاماں کہا جاتا ہے۔ خاندان غلاماں کے بعد کئی اور مسلمان حکمران خاندانوں نے ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر کئی سو سال تک حکومت کی۔ ان حکمرانوں کو تاریخ میں سلاطینِ دہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد مغل حکمرانوں کا دورِ اقتدار 1526ء میں شروع ہوا جو 1857ء میں ختم ہوا۔ مغل خاندان کے پہلے چھے حکمران نہایت لائق اور قابل تھے مگر ان کے بعد کمزور اور نااہل مغل حکمرانوں کا دور شروع ہوتا ہے جو 1707ء سے شروع ہو کر 1857ء میں آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کی معزولی اور گرفتاری تک جاری رہا۔

انگریزوں کی ہندوستان آمد اور انگریز حکومت کا قیام

برصغیر پاک و ہند میں یورپی اقوام کی آمد کا سلسلہ مغلوں کے دورِ حکومت سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ابتداء میں ان کی سرگرمیاں صرف تجارت تک محدود تھیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مغلوں کا اقتدار کمزور ہونے لگا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں کے حکمرانوں کی کمزوریوں اور اندرونی انتشار کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ ہندوستان کی اندرونی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED-03

سیاست میں اپنا اثر رسوخ بڑھانا شروع کیا۔ اپنے تجارتی مراکز کی حفاظت کی آڑ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہ صرف اپنی فوج منظم کی بلکہ قلعوں کی تعمیر بھی شروع کردی تھی جو کمپنی کے سیاسی عزائم کا واضح ثبوت تھا۔ 1857ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے بیشتر حصوں پر قابض ہو چکی تھی اور آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کا اقتدار صرف دہلی شہر اور اس کے گرد و نواح تک محدود ہو چکا تھا۔

جنگِ آزادی 1857ء

انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے بعد یہاں ایسی پالیسیاں اختیار کیں جن سے یہاں کے لوگوں کی سماجی اور اقتصادی زندگی پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ خصوصاً اُن کی اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان کے لوگ معاشی بدحالی کا شکار ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے ہندوستان کے لوگوں کے مذہبی عقائد اور ثقافتی روایات میں بھی مداخلت شروع کردی تھی۔ عیسائی مبلغ ہندوستان میں کھلے عام عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان کے لوگ انگریزوں سے سخت نفرت کرنے لگے۔

1857ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کی جسے انگریز مؤرخ غدر اور برصغیر کے تاریخ دان آزادی کی جنگ قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ آزادی کے متوالے بڑی بہادری سے لڑے مگر اندرونی سازشوں، باہمی نااتفاقی اور جنگ کے چند علاقوں تک محدود رہنے کی وجہ سے جنگ ناکامی سے دوچار ہوئی اور انگریزوں نے دوبارہ ہندوستان پر اپنا اقتدار مضبوط کرلیا۔

جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے حالات

جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد اس کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں کے کندھوں پر ڈال دی گئی اور انگریزوں نے مسلمانوں کو سخت ترین سزائیں دے کر ان کو بدترین انتقام کا نشانہ بنایا۔ اس جنگ میں اگرچہ ہندو اور مسلمان برابر کے حصہ دار تھے مگر انگریز سمجھتے تھے کہ بغاوت کے اصل ذمہ دار مسلمان تھے کیونکہ انھوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا اور اُن کو شک تھا کہ جنگِ آزادی کے ذریعے مسلمان اپنا اقتدار بحال کرانا چاہتے تھے۔ جنگِ آزادی کے بعد کے دور میں مسلمانوں کو انگریزوں کی بدترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کو جان بوجھ کر پس ماندہ رکھنے کی کوشش کی گئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS - YOUSEFF AHMAD 03198... 5886

انتہا پسند ہندوؤں نے بھی اس موقع کا بھر پور فائدہ اٹھایا اور انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے ہندوستان پر کئی سو سال تک حکومت کرنے کا بدلہ لینے کی کوشش کی، مگر کسی حد تک مسلمان خود بھی اپنی اس بری حالت کے ذمہ دار تھے۔ مسلمانوں نے انگریزوں سے نفرت کی بنا پر انگریزی زبان اور جدید مغربی طرزِ تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کے بغیر نہ تو سرکاری ملازمت حاصل کی جا سکتی تھی اور نہ ہی زندگی کے دوسرے شعبوں میں ترقی ممکن تھی۔ دوسری طرف ہندوؤں نے جلد ہی ہندوستان کی نئی سیاسی حقیقتوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ انھوں نے نہ صرف انگریزی زبان سیکھی اور جدید مغربی علوم کی تعلیم حاصل کی بلکہ انگریزوں کے ساتھ تعاون کر کے ان کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے میں بھی کامیاب ہو گئے، جبکہ جنگِ آزادی کے فوراً بعد مسلمانوں کی آبادی تقریباً پانچ کروڑ تھی مگر باوجود اتنی بڑی آبادی کے وہ ایک محکوم اقلیت بن چکے تھے۔

علی گڑھ تحریک

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد جن شخصیات نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں سب سے اہم کردار ادا کیا اور اُن کے افکار اور نظریات پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ان میں سر سید احمد خان کا نام سرِ فہرست ہے۔ سر سید احمد خان جدید مغربی علوم کے حصول اور انگریز حکمرانوں سے اچھے تعلقات کو مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل سمجھتے تھے۔ ان مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر انھوں نے تعلیمی، سیاسی اور ادبی میدانوں میں مسلمان قوم کی بھلائی کے لیے عظیم خدمات انجام دیں۔ سر سید نے نہ صرف اپنی تحریروں کے ذریعے مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان غلط فہمیاں دور کر کے انھیں قریب لانے کی کوشش کی بلکہ ہندو انتہا پسندوں کی مسلم دشمن سرگرمیوں سے مایوس ہو کر ''دو قومی نظریہ'' بھی پیش کیا جو بعد میں ''نظریہ پاکستان'' کی بنیاد بنا۔

جنگِ آزادی کے بعد کے دور میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت انتہائی خراب ہو گئی تھی کیونکہ مسلمان آبادی کی اکثریت نے محض انگریز دشمنی کی بنا پر جدید مغربی علوم کے حصول سے انکار کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ مغربی علوم سیکھ کر اُن کے بچے اپنے مذہب سے دور ہو جائیں گے۔

سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ انگریزی زبان اور جدید مغربی علوم کے خلاف منفی رویہ ترک کر دیں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو سیاست میں وقتی طور پر حصہ نہیں لینا چاہیے۔ اپنی تمام تر توجہ تعلیمی

ترقی پر مرکوز کرنی چاہیے تاکہ وہ نہ صرف ملازمتوں میں اپنا حصہ حاصل کرسکیں بلکہ ان پر انگریز حکمرانوں کا اعتماد بھی بحال ہو۔علی گڑھ تحریک کے باقاعدہ آغاز سے پہلے ہی سرسید احمد خان نے تعلیمی میدان میں مسلمانوں کی ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔اپنی ملازمت کے دوران انھوں نے 1859ء میں مرادآباد میں اور اس کے بعد غازی پور کے مقام پر سکول قائم کیے۔1863ء میں انھوں نے غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد یورپی زبانوں میں مختلف جدید علوم پر لکھی گئی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کرا کے ہندوستان کے لوگوں کو یہ موقع فراہم کرنا تھا کہ وہ ان کتابوں سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

1869ء میں سرسید احمد خان اپنے بیٹے سیّد محمود کے ساتھ انگلستان گئے۔سرسید سمجھتے تھے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں انگریزوں کی ترقی میں اُن کے نظامِ تعلیم کا کردار سب سے اہم ہے۔لہٰذا انگلستان میں قیام کے دوران سرسید احمد خان نے وہاں کے چند بہترین تعلیمی اداروں[1] کا دورہ کر کے اُن کے طرزِ تعلیم کا بغور مشاہدہ کیا۔

1870ء میں انگلستان سے واپسی پر سرسیّد نے ''انجمن ترقیٔ مسلمانانِ ہند'' کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی جس کا کام مسلمانوں میں جدید تعلیم سے بیزاری کی وجوہات معلوم کر کے اس بارے میں تجاویز پیش کرنا تھا۔اس کمیٹی نے علی گڑھ کے مقام پر ایک کالج قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔سرسید کو مجوزہ کالج کی انتظامی کمیٹی کا تاحیات سیکرٹری نامزد کیا گیا۔سرسید نے کالج کے قیام کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی غرض سے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا جس کے دوران انھوں نے مسلمانوں کو جدید تعلیم کے حصول کی اہمیت سے بھی آگاہ کیا۔

1875ء میں کالج کے قیام کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا تھا جب علی گڑھ میں ایک سکول کا قیام عمل میں لایا گیا۔صرف دو سال بعد اس سکول کو کالج کا درجہ دیا گیا اور وائسرائے لارڈ لٹن "Lord Lytton" نے 1877ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا سنگِ بنیاد رکھا۔علی گڑھ کالج ایک اقامتی ادارہ تھا جہاں انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ مشرقی اور مغربی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔کالج میں مسلمان طلبہ کے علاوہ دیگر قومیتوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ بھی پڑھتے تھے مگر دینیات (علومِ اسلامیہ) کی تعلیم صرف مسلمانوں کے لیے لازمی تھی۔علی گڑھ کالج میں طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت اور کردار سازی پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔سرسید نے کالج کو مغربی معیار کے مطابق ایک عمدہ درس گاہ بنانے کے لیے بھاری تنخواہیں دے کر ممتاز

---

1. آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03498...

انگریز ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کیں اور کالج کے اساتذہ میں یورپین اساتذہ کی بڑی تعداد شامل تھی۔

علی گڑھ تحریک کے دو بڑے ستون تھے۔ ان میں ایک تو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج اور دوسرا ستون محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس تھا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس 1886ء میں قائم کی گئی اور اس کے قیام کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

1۔ علی گڑھ کالج کے طرز پر نئے تعلیمی ادارے قائم کرنا۔
2۔ مسلمانوں میں جدید مغربی طرزِ تعلیم کی اہمیت کا احساس پیدا کرنا۔
3۔ مسلمانوں کے قائم کردہ انگریزی تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم کے حالات پر نظر رکھنا۔
4۔ مسلمانوں کے روایتی مدرسوں اور مکتب سکولوں کے نصاب کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔

علی گڑھ کالج اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے نہ صرف مسلمانوں میں جدید تعلیم کے فروغ میں کردار ادا کیا بلکہ یہ دونوں ادارے جلد ہی مسلمانوں کی تمام سماجی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کا محور بن گئے۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ایک خالصتاً غیر سیاسی تنظیم تھی۔ علی گڑھ کالج سے کئی نامور مسلمان راہنماؤں نے تعلیم حاصل کی۔ جنھوں نے بعد میں تحریکِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

مسلم لیگ کے قیام کا پس منظر

1885ء میں ایک ریٹائرڈ انگریز افسر اے۔ او۔ ہیوم (A.O. Hume) نے انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے ایک سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ کانگریس ہندوستان کے تمام لوگوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی مگر اس پر شروع سے ہندو انتہا پسندوں کا غلبہ رہا اور اس کی پالیسیاں مسلمانوں کے مفادات کے سراسر منافی تھیں۔

کانگریس کا مطالبہ تھا کہ ہندوستان میں قانون ساز کونسلوں کے ممبران کا انتخاب مغربی طرزِ جمہوریت کے اصولوں کے مطابق کیا جائے۔ مسلمان راہنماؤں کا خیال تھا کہ خالص مغربی جمہوری نظام ہندوستان میں قابلِ عمل نہیں ہے کیونکہ یہاں دو بڑی قومیں، ہندو اور مسلمان آباد ہیں۔ جن میں سے ایک اکثریت اور دوسری اقلیت میں ہے۔ اگر مغربی طرز کا جمہوری نظام بغیر کسی ردوبدل کے نافذ کر دیا گیا تو مسلمان اقلیت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندو اکثریت کی غلام بن کر رہ جائے گی۔ اس کے علاوہ کانگریس کی دیگر پالیسیاں اور مطالبات بھی مسلمانوں کے مفاد کے منافی تھے۔ کانگریس نے 1905 میں بنگال کی تقسیم کی بھی مخالفت کی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

جبکہ یہ تقسیم مسلمانوں کے مفاد میں تھی۔

شملہ وفد (اکتوبر 1906ء)

جب کانگریس کی سرگرمیوں اور مطالبات کی وجہ سے مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا تو مسلمان اکابرین کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اقدامات لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ 1906ء میں انگریز حکمرانوں نے ہندوستان میں نئی سیاسی اصلاحات نافذ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مسلمان راہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ اُنھیں وائسرائے سے ملاقات کر کے ایسی تجاویز دینی چاہییں جن سے مستقبل کے سیاسی ڈھانچے میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ لہٰذا نواب محسن الملک کی کوششوں سے 35 اراکین پر مشتمل مسلمان راہنماؤں کے ایک وفد نے اکتوبر 1906ء میں شملہ کے مقام پر وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کی۔ وفد کی قیادت سر آغا خان نے کی اور وائسرائے کو ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے۔

1۔ نئے ایکٹ میں قانون ساز کونسل کی رُکنیت کے لیے انتخابی اصول رائج کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو جداگانہ طرزِ انتخاب کا حق دیا جائے جس کے تحت مسلمان اپنے نمائندوں کا انتخاب خود کریں۔

2۔ قانون ساز اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا تناسب طے کرتے وقت صرف ان کی تعداد کو مدِ نظر نہ رکھا جائے بلکہ اُن کی سیاسی اہمیت کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔

3۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں اور مقامی حکومتی اداروں میں اُن کا جائز حصہ دیا جائے۔

وائسرائے لارڈ منٹو نے اپنی جوابی تقریر میں ان تمام مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے کا یقین دلایا اور کہا کہ مستقبل کے کسی بھی سیاسی ڈھانچے میں مسلمانوں کے مفادات کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔

شملہ وفد کی وائسرائے سے ملاقات اور وائسرائے کی طرف سے مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کرانا مسلمان راہنماؤں کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ اس مسلمان وفد سے ملاقات کر کے وائسرائے اور انگریز حکومت نے ایک طرح سے مسلمانوں کے اس دعویٰ کو درست تسلیم کر لیا تھا کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں۔ کانگریسی لیڈروں نے شملہ وفد کی وائسرائے سے ملاقات کو انگریزوں کی سازش قرار دیا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TUSEEF RAHMAN 0349...

اور مسلمانوں کے جداگانہ طرزِ انتخاب کے مطالبے کی شدید مخالفت کی مگر لارڈ منٹو نے اپنا وعدہ پورا کیا اور جب برطانوی پارلیمنٹ نے حکومت ہند کا قانون 1909ء پاس کیا تو اس میں مسلمانوں کو جداگانہ طرزِ انتخاب کا حق دیا گیا۔

مسلم لیگ کا قیام :1906

شملہ وفد کی کامیابی کے بعد مسلمان راہنماؤں کو اپنی ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ اہم مواقع پر یہ جماعت مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو انگریز حکومت کے سامنے پیش کر سکے۔ ان کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ سر سلیم اللہ خان نے تجویز پیش کی کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے باقاعدہ اجلاس کے بعد مسلمان راہنماؤں کا ایک غیر رسمی اجلاس منعقد کیا جائے جس میں آل انڈیا مسلم کنفیڈریشن کے نام سے ایک سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

دسمبر 1906ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ چونکہ یہ ایک غیر سیاسی ادارہ تھا۔ سر سید احمد خان نے اس کے اجلاسوں میں سیاسی معاملات زیرِ بحث لانے کو سختی سے منع کیا تھا لہٰذا مجوزہ مسلمان سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لانے کے لیے کانفرنس کے باقاعدہ اجلاس کے فوراً بعد ایک غیر رسمی اجلاس منعقد کیا گیا جس کی صدارت نواب وقار الملک نے کی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک الگ سیاسی جماعت قائم کریں۔ صدارتی خطبے کے بعد اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی جس کے تحت آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے مسلم سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل تھے:-

1۔ مسلمانوں میں انگریز حکمرانوں کے ساتھ وفاداری کے جذبات کو فروغ دینا اور اُن میں حکومت کے اقدامات اور ارادوں کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنا۔

2۔ مسلمانوں کے سیاسی اور دیگر حقوق کا تحفظ کرنا اور اُن کی خواہشات اور مطالبات کو مناسب انداز سے حکومت کے سامنے پیش کرنا۔

3۔ مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمانوں میں دوسری قومیتوں کے خلاف منفی جذبات کو بڑھنے سے روکنا۔

مسلم لیگ کا آئین 1908ء میں وضع کیا گیا۔ سر سلطان محمد آغا خان (سوم) کو مسلم لیگ کا صدر اور نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کو مشترکہ طور پر جوائنٹ سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ مسلمان راہنماؤں کی کوششوں سے کچھ ہی عرصہ میں مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت کے طور پر اُبھری اور قائداعظم کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد اس کی مقبولیت میں اور بھی اضافہ ہوا۔

ابتدائی دور میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کو انگریز حکومت سے وفاداری اور تعاون کی تلقین کی مگر جب 1911ء میں برطانوی حکومت نے مسلمانوں کی خواہشات کے برعکس تقسیمِ بنگال کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا تو مسلم لیگ نے بھی 1913ء میں اپنے مقاصد میں ترمیم کی اور اپنے مقاصد میں مندرجہ ذیل نکات کا اضافہ کیا:۔

1۔ حکومت خود اختیاری کے ایک ایسے نظام کے حصول کے لیے کوشش کی جائے جو ہندوستان کے لیے موزوں ہو۔

2۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کی دوسری قومیتوں اور سیاسی تنظیموں کے ساتھ خوشگوار تعلقات، تعاون اور اشتراکِ عمل کو فروغ دیا جائے۔

مسلم لیگ کے مقاصد میں اس تبدیلی کے بعد کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان تعاون کا ایک مختصر دور شروع ہوا جس کا نتیجہ 1916ء میں میثاقِ لکھنؤ کی صورت میں نکلا۔

اگرچہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ماضی میں کی گئی تمام کوششیں ناکام ہو گئی تھیں مگر 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہوا جس کے نتیجے میں اگلے پانچ سال تک ہندو مسلم اتحاد کا ایک عارضی مگر اہم دور جاری رہا۔ اس معاہدے کو میثاق لکھنؤ کا نام دیا گیا اور اس کو ممکن بنانے میں قائداعظم محمد علی جناح نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ معاہدہ دراصل ہندوستان میں مستقبل کے آئینی ڈھانچے کے متعلق دونوں جماعتوں کی طرف سے پیش کردہ متفقہ تجاویز پر مبنی تھا۔

میثاقِ لکھنؤ سے مسلمانوں کو اس وقت ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی جب کانگریس نے اس معاہدے میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ طرزِ انتخاب کا اُصول (Right of Separate Electorates) بغیر کسی شرط کے تسلیم کرلیا۔ اس کے علاوہ مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو اُن کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں یعنی (Weightage) دی گئی۔ ہندو مسلم اتحاد تحریکِ خلافت کے اختتام تک جاری رہا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-03490615886

تحریکِ خلافت

1914ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی جس میں ترکی نے برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دیا۔ ترکی کی حکومت کے اس فیصلے نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک انتہائی مشکل صورتحال سے دوچار کر دیا تھا۔ ترکی اُس وقت سلطنتِ عثمانیہ کہلاتا تھا اور ترکی کے سلطان دُنیا بھر کے مسلمانوں کے خلیفہ بھی تسلیم کیے جاتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بھی خلافت کا مسند انتہائی قابلِ احترام اور مقدس حیثیت کا حامل تھا۔ وہ ترکی کے سلطان کو اپنا سیاسی اور مذہبی رہنما مانتے تھے۔ دوسری طرف وہ برطانوی حکومت کی رعایا اور انگریزوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے۔ مسلمانوں کی اس مشکل کو محسوس کرتے ہوئے حکومتِ برطانیہ نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ جنگ کرنے کا فیصلہ برطانیہ نے نہیں بلکہ ترکی نے خود کیا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ جنگ میں کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کے مذہبی مقامات کا تحفظ کیا جائے گا اور سلطنتِ عثمانیہ کی علاقائی سالمیت کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ انھوں نے یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ خلافت کا ادارہ برقرار رکھا جائے گا۔

اس یقین دہانی کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں نے جنگ میں برطانوی حکومت کا بھرپور ساتھ دیا۔ ہزاروں مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر انگریزوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا۔ برطانیہ کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوئی۔ جنگ کے اختتام پر برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں سے کیے گئے وعدوں کا لحاظ نہیں کیا اور سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کر کے برطانیہ کے اتحادیوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس وعدہ خلافی کا بہت دُکھ ہوا۔ اُنھوں نے سلطنتِ عثمانیہ کے تحفظ اور خلیفہ کے اختیارات اور احترام کو بحال کرانے کے لیے ایک تحریک شروع کی جسے "تحریکِ خلافت" کہا جاتا ہے۔

22 ستمبر 1919ء کو آل انڈیا خلافت کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی اور 23 نومبر 1919ء کو دہلی میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت مولوی فضل الحق نے کی۔ اس موقع پر گاندھی کی قیادت میں کانگریس نے بھی خلافت کے مسئلے پر مسلمانوں سے تعاون کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنوری 1920ء میں مسلمانوں کے ایک نمائندہ وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی اور خلافت کے مسئلے پر اپنے مطالبات سے آگاہ کیا۔ مارچ 1920ء میں مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک وفد نے خلافت کے مسئلے پر رائے عامہ کو ہموار کرنے

MEDICAL BY FUTURE DOCTORS YOUSEF FAHAL 0349...5886

کے لیے یورپ کا دورہ کیا اور برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ لائیڈ جارج سے بھی ملاقات کی مگر بدقسمتی سے ان دونوں وفود کی ملاقاتوں کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا۔

تحریکِ خلافت کے دوران گاندھی اور کانگریس نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور گاندھی نے تحریکِ عدم تعاون شروع کی۔ گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر نے سارے ہندوستان کا دورہ کر کے لوگوں کو تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون میں حصہ لینے کی تلقین کی۔ لوگوں نے ان کی اپیلوں کا مثبت جواب دیا۔ بڑی تعداد میں ہندوستانیوں نے اپنے خطابات حکومتِ برطانیہ کو واپس کر دیے۔ برطانوی حکومت کی طرف سے منائے جانے والے جشنِ فتح کا بائیکاٹ کیا گیا۔ وکلاء نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا اور انگریز عدالتوں سے مقدمات واپس لے لیے گئے۔ طلبہ نے سکولوں اور کالجوں میں کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ برطانیہ کی صنعتی اشیاء خصوصاً برطانوی کپڑے کا استعمال ترک کر دیا گیا۔

تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون زور و شور سے جاری تھیں کہ یو پی کے ایک قصبے چوری چورا میں تحریکِ عدم تعاون کے رضا کاروں نے پولیس کے ملازمین کو تھانے میں بند کر کے آگ لگا دی۔ گاندھی نے اس واقعے کے بعد اعلان کیا کہ چونکہ عدم تعاون کی تحریک عدم تشدد پر قائم نہیں رہی اس لیے وہ اس کو ختم کر رہے ہیں تحریک عدم تعاون کے خاتمے کے بعد تحریک خلافت کچھ عرصہ تک جاری رہی مگر اس کا زور بڑی حد تک ٹوٹ گیا تھا۔

اس دوران ترکی میں مصطفیٰ کمال اتاترک کی قیادت میں ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی نے خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا جس کے بعد تحریکِ خلافت کو جاری رکھنے کا جواز بھی ختم ہو گیا۔ اگرچہ تحریکِ خلافت بظاہر کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی مگر اس سے مسلمانوں کو دو فائدے ہوئے۔ ایک تو مسلمانوں کو بڑے پیمانے پر عوامی تحریک کو منظم کرنے کا تجربہ حاصل ہوا اور دوسرے اس تحریک نے ایسے لیڈر پیدا کیے جنھوں نے بعد میں تحریکِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

قرار دادِ لاہور: مارچ 1940ء

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت فروری اور مارچ 1937ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد کیے گئے۔ ان انتخابات میں دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کانگریس اور مسلم لیگ نے بھرپور

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TO USE FAHMAD 03499156255

حصہ لیا۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کی کارکردگی انتہائی مایوس کُن رہی۔ کانگریس نے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ ہندو اکثریتی صوبوں میں واضح اکثریت حاصل کی اور اپنی وزارتیں بنائیں۔ ان تمام صوبوں میں مسلم لیگ کو وزارتوں میں کوئی حصہ نہیں دیا۔ اقتدار میں آتے ہی کانگریس نے مسلمان مخالف پالیسیوں پر عمل درآمد شروع کر دیا اور مسلمانوں کو ان ہندو اکثریتی صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ستمبر 1939ء میں دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہوا۔ کانگریس نے جنگ کے دوران برطانیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور برطانوی حکومت کو چند مطالبات پیش کیے جن کے مسترد ہونے پر کانگریسی وزارتوں نے اکتوبر 1939ء میں استعفیٰ دے دیا۔ قائداعظم نے مسلمانوں سے 22 دسمبر 1939ء کا دن "یوم نجات" کے طور پر منانے کی اپیل کی۔

صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کے دور میں مسلمانوں کو انتہائی تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کو یہ احساس ہوا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کے ہاتھوں اُن کو اس سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان تجربات کی روشنی میں مسلمانوں نے متحدہ ہندوستان میں اپنے حقوق کے تحفظ کی بجائے ایک الگ اور مکمل طور پر آزاد مسلم ریاست کا مطالبہ شروع کر دیا۔

مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کی تقسیم اور ایک الگ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ وقتاً فوقتاً کیا جاتا رہا۔ لیکن باقاعدہ طور پر یہ مطالبہ پہلی دفعہ مارچ 1940ء میں لاہور میں منعقدہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ایک قرارداد کی شکل میں کیا گیا جسے قراردادِ لاہور کا نام دیا گیا۔

مسلم لیگ کا یہ تاریخی سالانہ اجلاس 22 مارچ 1940ء کو لاہور میں شروع ہوا۔ اجلاس کے پہلے دن قائداعظم نے منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کا مسئلہ فرقہ وارانہ نوعیت کا نہیں بلکہ بین الاقوامی نوعیت کا ہے۔ جب تک اس بنیادی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا جاتا یہاں کوئی بھی دستوری ڈھانچہ قابلِ عمل نہیں ہوگا۔ قائدِ اعظم نے فرمایا "مسلمان لفظ قوم کی ہر تشریح پر پورا اُترتے ہیں اور اُن کا حق ہے کہ ان کا اپنا وطن، اپنا علاقہ اور اپنی ریاست ہو"۔

اجلاس کے دوسرے دن یعنی 23 مارچ 1940ء کو بنگال کے وزیرِاعلیٰ مولوی فضل الحق نے وہ

مشہور قرارداد پیش کی جسے قراردادِ لاہور کا نام دیا گیا۔

قرارداد کا متن

''مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس ملک میں وہی دستور قابلِ عمل ہوسکتا ہے اور صرف اُسی دستور کو مسلمان قبول کریں گے جس کی بنیاد مندرجہ ذیل اصولوں پر رکھی گئی ہو کہ جغرافیائی لحاظ سے باہم متصل علاقوں کی ایسے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے اور ضروری علاقائی ردوبدل کے ساتھ اُن کی ایسی تشکیل کی جائے کہ جن علاقوں میں مسلمان عددی لحاظ سے اکثریت میں ہیں جیسا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی حصوں میں، اُن کو یکجا کیا جائے تا کہ وہ آزاد ریاستیں بن سکیں۔ ان ریاستوں میں شامل اکائیاں (صوبے) خودمختار اور مقتدرِ اعلیٰ ہوں گی۔''

قراردادِ لاہور 23 مارچ کو پیش کی گئی اور 24 مارچ کو اس کی منظوری دی گئی۔ اس قرارداد کو ہندو اخبارات نے ''قراردادِ پاکستان'' کے نام سے شائع کیا حالانکہ قرارداد کے متن میں کہیں بھی لفظ پاکستان استعمال نہیں کیا گیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک عام ہندوستانی مسلمان کو اس قرارداد کا مقصد سمجھانے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ اگر ہندو پریس اس کو قراردادِ پاکستان کا نام نہ دیتی تو مسلمان راہنماؤں کو مسلمانوں کو اس کا مقصد اور اہمیت سمجھانے میں کافی محنت درکار ہوتی۔

کرپس مشن: 1942ء

دوسری جنگ عظیم کے دوران حکومت برطانیہ کو اپنی جنگی ضروریات کے پیشِ نظر ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی سیاسی جماعتوں کے تعاون کی سخت ضرورت تھی۔ اس ضرورت کے تحت برطانوی حکومت نے سر سٹیفورڈ کرپس (Sir Stafford Cripps) کو چند نئی دستوری تجاویز کے ساتھ 23 مارچ 1942ء کو ہندوستان بھیجا۔ کرپس مشن کا ایک اہم مقصد ہندوستان کے عوام اور سیاسی جماعتوں کی خوشنودی حاصل کر کے انھیں جنگی کوششوں میں برطانوی حکومت کی مدد پر آمادہ کرنا تھا۔ سر سٹیفورڈ کرپس نے ہندوستان آمد کے بعد یہاں کے سیاسی راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور 30 مارچ کو کرپس نے

اپنی تجاویز کا مسودہ شائع کیا۔ ان تجاویز میں کہا گیا تھا کہ:۔

1۔ جنگ کے خاتمے پر ہندوستانی نمائندوں پر مشتمل ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے گی جو ہندوستان کا آئین مرتب کرے گی۔

2۔ اس اسمبلی کے ممبران کا چناؤ صوبائی اسمبلی کے ممبران کریں گے اور اس میں دیسی ریاستوں کو بھی نمائندگی دی جائے گی۔

3۔ تجاویز میں یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ جنگ کے خاتمے پر دستور ساز اسمبلی کا بنایا ہوا آئین نافذ کر دیا جائے گا اور ہندوستان کو نو آبادیات (Dominion Status) کا درجہ دے دیا جائے گا۔

4۔ تجاویز میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ ایک یا ایک سے زیادہ صوبے اگر نئے آئین کے تحت وفاق میں شامل نہ ہونا چاہیں تو انھیں اپنی علیحدہ حیثیت برقرار رکھنے اور وفاق سے باہر رہنے کا حق حاصل ہوگا۔

کرپس تجاویز میں کہا گیا تھا کہ دورانِ جنگ کسی قسم کی آئینی پیش رفت نہیں کی جائے گی اور ہندوستان کے دفاعی امور سے متعلق تمام ذمہ داریاں بدستور حکومتِ برطانیہ کے پاس رہیں گی۔

کانگریس نے کرپس تجاویز کو مسترد کر دیا کیونکہ ان تجاویز میں ہندوستان میں فوری طور پر ایک ذمہ دار حکومت کے قیام کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ کانگریس نے صوبوں کو یہ حق دینے پر بھی اعتراض کیا کہ اگر وہ چاہیں تو وفاق میں شامل نہ ہوں اور اپنی الگ حیثیت برقرار رکھیں کیونکہ اس طرح پاکستان بنانے کی راہ ہموار ہوگی۔ دوسری طرف مسلم لیگ نے ان تجاویز کو اس بنا پر مسترد کر دیا کہ ان میں واضح طور پر پاکستان کے قیام کی ضمانت نہیں دی گئی تھی۔ اس طرح برطانوی حکومت کی یہ کوشش ناکام ہوئی اور کرپس نے برطانیہ واپس جا کر مشن کی ناکامی کا اعلان کیا۔

شملہ کانفرنس: (1945ء)

کرپس تجاویز کی ناکامی کے بعد ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے حوالے سے قائداعظم اور گاندھی جی کے درمیان ملاقاتوں اور خطوط کے تبادلے کا ایک سلسلہ شروع ہوا جسے گاندھی جناح مذاکرات کے نام سے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-03499815886

یاد کیا جاتا ہے۔ ان مذاکرات کا بھی کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکا۔ اس کے بعد وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے بارے میں جون 1945ء میں شملہ کے مقام پر ہندوستان کے سیاسی راہنماؤں کی ایک کانفرنس طلب کی۔ کانفرنس میں شرکت کے لیے پانچ مسلم اراکین پر مشتمل ایک وفد شامل کرنے کی تجویز تھی لیکن کانگریس کا اصرار تھا کہ وہ ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور یہ کہ وہ مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستوں پر بھی نمائندے نامزد کرے گی مگر قائداعظم نے واضح کر دیا کہ پانچوں مسلم ارکان کو صرف مسلم لیگ نامزد کرسکتی ہے کیونکہ وہی مسلمانوں کی واحد جماعت ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب سے یونینسٹ پارٹی مسلم نشستوں پر اپنا ایک نمائندہ مقرر کرنا چاہتی تھی جب کہ مسلم لیگ کو یہ منظور نہ تھا۔ شملہ کانفرنس میں یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ آیا مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے یا نہیں تاہم یہ کانفرنس کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی۔

46-1945ء کے انتخابات

دوسری جنگِ عظیم کے اختتام کے فوراً بعد وائسرائے لارڈ ویول نے ہندوستان کی مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے لیے انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے تحت دسمبر 1945ء میں مرکزی اسمبلی اور فروری 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے ان انتخابات میں قیامِ پاکستان کے نعرے کی بنیاد پر حصہ لیا اور 1937ء کے انتخابات کے بالکل برعکس ان انتخابات میں واضح اور بے مثال کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ نے مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لیے مخصوص ساری نشستیں جیت لیں جبکہ صوبائی اسمبلیوں میں مسلمان نشستوں کی واضح اکثریت پر کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کا مطلب ہندوستان کے مسلمانوں کا مسلم لیگ اور قیامِ پاکستان پر بھرپور اعتماد کا اظہار تھا۔

کابینہ مشن 1946ء

ہندوستان کے آئینی مسئلے کا حل ڈھونڈنے کے لیے حکومت برطانیہ نے 1946ء میں برطانوی کابینہ کے تین اراکین پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا۔ یہ وفد 24 مارچ 1946ء کو دہلی پہنچا۔ وفد نے کوشش کی کہ ہندوستان کے آئینی مسئلے کا کوئی متفقہ حل نکالا جاسکے مگر ہندوستانی راہنماؤں کے درمیان وسیع

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03

اختلافات کی وجہ سے کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ اس کے بعد کابینہ مشن کے ارکان نے مئی 1946ء میں شملہ کے مقام پر کانگریس اور مسلم لیگ کے راہنماؤں کی کانفرنس بلائی جو بے نتیجہ رہی اور 12 مئی کو کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد کابینہ مشن نے 16 مئی 1946ء کو اپنی تجاویز پیش کیں جن میں کہا گیا تھا کہ:-

1۔ برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں پر مشتمل ایک کل ہند یونین قائم کی جائے گی۔

2۔ اس یونین کا آئین بنانے کے لیے صوبوں کو تین لازمی گروپوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ جس میں ایک گروپ میں ہندو اکثریتی صوبے اور باقی دو گروپوں میں مسلمان اکثریتی صوبے شامل ہونگے۔

3۔ ہر گروپ میں شامل صوبوں کے منتخب نمائندے اپنے اپنے صوبوں اور گروپ کے لیے آئین بنائیں گے اور اس کے بعد تینوں گروپوں کے اراکین اور شاہی ریاستوں کی طرف سے نامزد کردہ نمائندوں کا مشترکہ اجلاس ہوگا جس میں یونین کا آئین بنایا جائے گا۔

4۔ ہر صوبے کو یہ اختیار ہوگا کہ مجوزہ آئین کے نفاذ سے دس سال بعد اپنی مجلس قانون ساز کے اکثریتی فیصلے کی بنا پر اپنے گروپ سے علیحدگی اختیار کر کے الگ حیثیت میں رہے یا کسی دوسرے گروپ میں شامل ہو جائے۔

5۔ مجوزہ دستور کی تیاری اور نفاذ تک مرکز میں تمام بڑی سیاسی جماعتوں پر مشتمل عبوری حکومت قائم کی جائے گی۔

اگرچہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے کابینہ مشن کی تجاویز کو اصولی طور پر منظور کر لیا تھا مگر بعد میں ان تجاویز کی کانگریس نے ایسے انداز میں تشریح کی جو مسلم لیگ کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ کانگریس نے عبوری حکومت سے متعلق تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور اس کے بعد اُصولی طور پر وائسرائے کو مسلم لیگ کے نمائندوں پر مشتمل عبوری حکومت بنانی چاہیے تھی مگر انھوں نے ایسا کرنے کے بجائے عبوری حکومت کے قیام کو مؤخر کر دیا۔ بعد میں کانگریس نے عبوری حکومت میں شامل ہونے پر آمادگی ظاہر کی اور 12 اگست 1946ء کو وائسرائے نے پنڈت جواہر لال نہرو کو حکومت بنانے کی دعوت دی۔ مسلم لیگ نے اس پر

سخت احتجاج کیا اور کابینہ مشن کے منصوبے کی منظوری کا فیصلہ واپس لینے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے 16 اگست 1946ء کو "راست اقدام کے دن" کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔

اگرچہ کچھ عرصہ بعد وائسرائے نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل ہونے پر راضی کر لیا مگر کانگریس کے حکومتی اراکین نے کبھی بھی دل سے حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کو تسلیم نہیں کیا اور بالآخر کانگریس نے وائسرائے سے مطالبہ کیا کہ یا تو مسلم لیگ کو حکومت سے علیحدہ کر دیا جائے یا پھر کانگریس کے اراکین مستعفی ہو جائیں گے۔

تقسیمِ ہند کا منصوبہ (3 جون کا منصوبہ)

1946ء میں برطانیہ میں عام انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں لیبر پارٹی برسرِ اقتدار آئی اور کلیمنٹ ایٹلی (Clement Attlee) برطانیہ کا وزیرِ اعظم بنا۔ 20 فروری 1947ء کو ایٹلی نے برطانوی دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ ہر حال میں جون 1948ء سے پہلے اقتدار ہندوستان کے ذمہ دار نمائندوں کے حوالے کرنا چاہتی ہے۔ اسی تقریر میں اُس نے یہ اعلان بھی کیا کہ لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے ہوں گے جن کے ذمے یہ کام ہوگا کہ وہ ہندوستان کی حکومتی ذمہ داریاں ہندوستانی نمائندوں کے سپرد کریں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن 22 مارچ 1947ء کو ہندوستان پہنچا۔ شروع میں اُس نے کوشش کی کہ وزارتی مشن (کابینہ مشن) کے منصوبے کی بنیاد پر ہندوستان کے آئینی مسئلے کا حل نکال کر ہندوستان کو متحدہ رکھا جاسکے۔ مگر ہندوستانی راہنماؤں سے ملاقاتوں کے بعد اُن کو یقین ہو گیا کہ ہندوستان کو متحد رکھنا ناممکن ہے۔ لہٰذا اُس نے ہندوستان کی تقسیم کے لیے ایک منصوبہ تیار کر کے اسے حکومت برطانیہ سے منظور کرا لیا۔ اس منصوبے کو منظرِ عام پر لانے سے پہلے اُس نے جواہر لال نہرو کو دکھایا۔ نہرو نے منصوبے کو ناقابلِ قبول قرار دے دیا۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ہندو مشیر وی۔ پی۔ مینن کو ایک متبادل منصوبہ تیار کرنے کو کہا اور اسے منظور کروانے کے لیے خود لندن لے گیا۔ حکومت برطانیہ سے منصوبے کی منظوری حاصل کرنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن 31 مئی کو واپس ہندوستان پہنچا اور 2 جون کو یہ منصوبہ سات سرکردہ ہندوستانی راہنماؤں کے سامنے رکھا جن میں قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر،

جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، اچاریہ کرپلانی اور بلدیو سنگھ شامل تھے۔ ان راہنماؤں کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد 3 جون 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے اس منصوبے کا اعلان کیا جس کی وجہ سے اسے ''3 جون کا منصوبہ'' کہتے ہیں۔

3 جون کے منصوبے کے تحت متحدہ ہندوستان کو دو آزاد ریاستوں، پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کیا جانا تھا اور اس غرض سے مسلمان اکثریتی صوبوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دونوں ریاستوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے درج ذیل طریقہ کار وضع کیا گیا تھا:۔

1۔ پنجاب اور بنگال کی قانون ساز اسمبلیاں اپنے اجلاسوں میں یہ فیصلہ کریں گی کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتی ہیں یا پاکستان میں۔ اگر ان کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوتا ہے تو اس صورت میں دونوں صوبائی اسمبلیوں میں شامل مسلم اکثریتی اضلاع اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع کے نمائندے اپنے الگ الگ اجلاسوں میں یہ فیصلہ کریں گے کہ آیا صوبے کو تقسیم کر دیا جائے یا نہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک حصہ بھی سادہ اکثریت کی بنیاد پر تقسیم کے حق میں فیصلہ دے تو صوبے کو مسلم اکثریتی اضلاع اور غیر مسلم اکثریتی اضلاع میں تقسیم کر دیا جائے۔

2۔ اگر بنگال کی اسمبلی صوبے کو تقسیم کرنے کے حق میں فیصلہ کرے تو آسام کے مسلم اکثریتی علاقے سلہٹ میں استصوابِ رائے (ریفرنڈم) کرایا جائے جس میں وہاں کے لوگ فیصلہ کریں گے کہ وہ آسام کا حصہ رہنا چاہتے ہیں یا پھر مشرقی بنگال کے مسلمان اکثریتی صوبے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

3۔ سندھ کی صوبائی اسمبلی کے اراکین یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ موجودہ دستور ساز اسمبلی (یعنی بھارت) کا حصہ بننا چاہتے ہیں یا نئی دستور ساز اسمبلی یعنی پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

4۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں استصوابِ رائے کے ذریعے وہاں کے عوام فیصلہ کریں گے کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان میں۔

5۔ بلوچستان میں شاہی جرگہ کے ارکان اور کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر سرکاری اراکین کو یہ حق دیا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498195886

جائے گا کہ وہ فیصلہ کریں کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں۔

6۔ پنجاب اور بنگال میں تقسیم کے حق میں فیصلہ ہونے کی صورت میں دونوں صوبوں کے لیے الگ الگ حد بندی کمیشن مقرر کیے جائیں گے تا کہ مسلم اور غیر مسلم اکثریتی ضلعوں کے درمیان سرحدوں کا تعین کریں۔

7۔ شاہی ریاستوں کے حکمران اپنی رعایا کی مرضی اور جغرافیائی حالات کو مدِ نظر رکھ کر پاکستان یا بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کریں گے۔

3 جون کے منصوبے میں ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا مطالبہ حتمی طور پر منظور کر لیا گیا تھا۔ طریقہ کار کے مطابق پنجاب اور بنگال میں صوبوں کی تقسیم کے حق میں فیصلہ ہوا اور مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال کے علاقے پاکستان کا حصہ بنے۔ سندھ کی اسمبلی نے اکثریتی ووٹ کے ذریعے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں عوام نے ریفرنڈم میں پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں ووٹ دیا۔ بلوچستان میں بھی وضع کردہ طریقہ کار کے مطابق فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوا۔

اس دوران برطانوی پارلیمنٹ نے آزادیٔ ہند کا قانون 1947ء منظور کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اقتدار دو آزاد ریاستوں ہندوستان اور پاکستان کو منتقل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ پاکستان ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد، مسلمانوں کی بیش بہا قربانیوں کے نتیجے میں 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ 15 اگست کو قائداعظم نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TO USE FAHAD 03499813886

مشق

1. خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

i. جنگ آزادی کو انگریز مؤرخین نے ____________ کا نام دیا۔

ii. مسلم لیگ کے قیام کی تجویز ____________ نے پیش کی تھی۔

iii. قطب الدین ایبک نے جس حکومت کی بنیاد رکھی اُسے ____________ کہا جاتا ہے۔

iv. شملہ وفد نے 1906ء میں وائسرائے ____________ سے ملاقات کی۔

v. مسلمانوں نے 22 دسمبر 1939ء کا دن ____________ کے طور پر منایا۔

vi. کابینہ مشن برطانوی پارلیمنٹ کے ____________ اراکین پر مشتمل تھا۔

2. بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کریں۔

i. سر سید احمد خان نے انگلستان کا دورہ کس سال میں کیا؟

(1863ء، 1869ء، 1875ء، 1886ء)

ii. مسلم لیگ نے اپنے مقاصد میں کس سال ترمیم کی؟

(1906ء، 1911ء، 1913ء، 1916ء)

iii. مسلمانوں کے ایک وفد نے کس سال میں وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملاقات کی؟

(1905ء، 1906ء، 1911ء، 1916ء)

iv. 1911ء میں کون سا اہم واقعہ پیش آیا؟

(میثاق لکھنؤ، تقسیم بنگال، مسلم لیگ کا قیام، تنسیخ تقسیم بنگال)

v. 3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان کیا؟

(لارڈ منٹو نے، ماؤنٹ بیٹن نے، قائد اعظم نے، نہرو نے)

vi. انڈین نیشنل کانگریس کا بانی کون تھا؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

(گاندھی، نہرو، دادا بھائی نوروجی، اے او ہیوم)

3. مندرجہ ذیل میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

i. علی گڑھ کالج میں دینیات (علوم اسلامیہ) کی تعلیم سب کے لیے لازمی تھی۔

ii. محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے بانی مولانا محمد علی جوہر تھے۔

iii. مسلم لیگ کے پہلے صدر قائداعظم محمد علی جناح تھے۔

iv. پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے حصہ نہیں لیا۔

v. قراردادِ پاکستان کے متن میں لفظ ''پاکستان'' کا استعمال نہیں ہوا۔

vi. تقسیم ہند کا منصوبہ 3 جون 1947ء کو پیش کیا گیا۔

4. مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

i. شمالی ہندوستان میں مسلمان حکومت کی بنیاد کب اور کس نے رکھی؟

ii. سر سید احمد خان کی نظر میں مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل کیا تھا؟

iii. مغربی طرزِ جمہوریت متحدہ ہندوستان میں قابلِ عمل کیوں نہیں تھی؟

iv. شملہ وفد (1906ء) کے تین بنیادی مطالبات تحریر کریں۔

v کانگریس اور مسلم لیگ نے کرپس مشن کی تجاویز کو کیوں مسترد کیا تھا؟

5. کالم ''الف'' میں دی گئی تاریخوں میں سے صحیح تاریخ کالم ''ب'' میں دیے گئے واقعات کے آگے کالم ''ج'' میں لکھیں۔

الف	ب	ج
1877ء	کابینہ مشن	
1905ء	کرپس مشن	
1916ء	تقسیم بنگال	

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- QUDEEL AHMAD-03499815886

1946ء	میثاقِ لکھنؤ	
1942ء	علی گڑھ کالج کا قیام	

6. "نظریہ" سے کیا مراد ہے؟ نظریہ قوموں کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟
7. دوقومی نظریہ کا ارتقا کیسے ہوا اور جنوبی ایشیا پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
8. قیام پاکستان کے سلسلے میں تحریک علی گڑھ نے کیا کردار ادا کیا؟
9. تحریک خلافت کا تفصیلی جائزہ لے کر بتائیں کہ مسلمانان ہند پر اس کا کیا اثر ہوا؟
10. کرپس مشن اور کابینہ مشن کی تجاویز کا تقابلی جائزہ لیں۔ آپ کے خیال میں سے کون سی تجاویز مسلمانان ہند کے لیے بہتر تھیں؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ابتدائی مسائل

14 اگست 1947ء کو قیامِ پاکستان، قائداعظم محمد علی جناحؒ کی انتھک کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا بیسویں صدی کا ایک عظیم کارنامہ تھا کیونکہ مسلمانوں کی یہ نئی ریاست دنیا کے نقشے پر مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت تھی۔ برِ صغیر ہندوپاک کے مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور ان گنت قربانیوں کا یہ ثمر تھا کہ کروڑوں مسلمانوں کو ایک آزاد ملک میں سانس لینے کا موقع فراہم ہوا۔ تاہم پاکستان کا قیام یہاں کے باشندوں کے لیے ایک نئے امتحان کا آغاز بھی تھا۔ کیونکہ متحدہ ہندوستان کی غیر مسلم آبادی بالعموم اور آل انڈیا نیشنل کانگریس بالخصوص قیامِ پاکستان کی سخت مخالف تھی۔ بلکہ قیامِ پاکستان کی مخالفت انگریز حکمران بھی آخری وقت تک کرتے رہے۔

جب پاکستان کا قیام حقیقت بن کر سامنے آنے لگا تو کانگریسی راہنماؤں اور متعصب ہندوؤں نے پہلے سے پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بُننا شروع کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کانگریسی رہنما صرف اور صرف خانہ جنگی کے خوف سے پاکستان بننے پر راضی ہوئے۔ تاہم وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو اتنے مسائل میں اُلجھا دیا جائے کہ وہ گھبرا کر ایک بار پھر ہندوستان میں مدغم ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ ان ہی ارادوں کے تحت انھوں نے مسلمانوں کی اس نوزائیدہ مملکت کے لیے مسائل کا انبار کھڑا کر دیا۔ کچھ مسائل پاکستان کو ورثے میں ملے لیکن ہندوستان نے ان مسائل کو مزید گھمبیر بنا دیا۔ پاکستان کو ابتدائی دنوں میں جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ درجِ ذیل ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886

ریڈکلف ایوارڈ (Rad Cliffe Award)

قانون آزادی ہند 1947ء (The Indian Independence Act, 1947) کے مطابق پنجاب اور بنگال کی تقسیم اور حد بندی کے لیے دو حد بندی کمیشنوں (Boundary Commission) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دونوں حد بندی کمیشنوں میں پاکستان اور ہندوستان کے دو دو نمائندے شامل

تھے اور سر سائیرل ریڈکلف (Sir Cyril Rad Cliffe) دونوں کمیشنوں کے سربراہ مقرر ہوئے۔

پنجاب حد بندی کمیشن میں پاکستان کی نمائندگی جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر نے کی جبکہ اسی کمیشن میں ہندوستان کی نمائندگی جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ نے کی اور بنگال حد بندی کمیشن میں پاکستان کی نمائندگی ابو صالح محمد اکرم اور ایس-اے-رحمٰن نے کی ۔ جبکہ اسی کمیشن میں ہندوستان کی نمائندگی سی-سی-بسواس اور بی-کے-مکرجی نے کی۔

ریڈکلف بحیثیت سربراہ حد بندی کمیشن یہ اختیار رکھتا تھا کہ ممبران کے درمیان اختلاف کی صورت میں آخری فیصلہ وہ خود کرے۔ سرحدوں کا تعین کرتے وقت جب ممبران کے درمیان اتفاق رائے نہ ہوسکا تو ریڈکلف نے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف فیصلہ صادر کردیا۔

سرحدی کمیشن کے وہ فیصلے جو پاکستان کے مفادات کے خلاف کیے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

ضلع گورداسپور مسلم اکثریت والا علاقہ تھا لیکن اس کو ہندوستان میں شامل کردیا گیا۔ پٹھان کوٹ جو کہ ضلع گورداسپور کی واحد ہندو اکثریت والی تحصیل تھی جغرافیائی لحاظ سے بہت اہم تھی۔ مشرقی پنجاب میں اس کی شمولیت سے ہندوستان کو کشمیر تک پہنچنے کا راستہ مل گیا۔ اگر پورے ضلع کی آبادی کا سادہ اصول سامنے رکھا جاتا تو اس لحاظ سے گورداسپور بمع تحصیل پٹھان کوٹ مغربی پنجاب کا حصہ بن جاتا۔ لیکن پٹھان کوٹ کی ہندو اکثریت والی آبادی کا بہانہ بنا کر یہ تحصیل ہندوستان کے حوالے کردی گئی اور اس طرح یہ علاقہ ہندوستان کو دے کر امرتسر بھی ان کے حوالے کردیا گیا۔

ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کی آبادی 70 فی صد مسلمانوں پر مشتمل تھی اور پاکستان کے ساتھ جغرافیائی لحاظ سے بھی ملی ہوئی تھی اور ضلع کی عیسائی آبادی اور مخصوص طبقے (Scheduled Castes) بھی پاکستان میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن انگریزوں اور ہندوؤں کے گٹھ جوڑ نے پاکستان کو ان علاقوں سے محروم کردیا۔ فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں بھی متنازعہ تھیں۔ جسٹس منیر ان تمام متنازعہ علاقوں پر بحث چاہتے تھے لیکن ریڈکلف نے ان سے کہا کہ فیروز پور اور زیرہ پر بحث لاحاصل ہے کیونکہ ان تحصیلوں کا فیصلہ پہلے ہی پاکستان کے حق میں ہوچکا ہے تاہم یہی تحصیلیں بعد میں ہندوستان کے حوالے کردی گئیں۔

ان حقائق کا اظہار پنجاب حد بندی کمیشن کے مسلمان ارکان نے بعد میں مختلف اوقات میں کیا۔ 24 اپریل 1958ء کو مغربی پاکستان ھائی کورٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے جسٹس دین محمد نے کہا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMED 03498815886

کہ سر سائیرل ریڈکلف نے فیروز پور، فیروز پور ہیڈ ورکس اور کچھ دوسرے علاقے پاکستان کے حوالے کر دیے تھے لیکن بعد میں حد بندی ایوارڈ تبدیل کر دیا گیا۔ اس بات کی تصدیق حد بندی کمیشن کے دوسرے مسلمان رُکن جسٹس محمد منیر نے بھی کی۔ 22 اپریل 1960ء کو ایک تقریر کے دوران انھوں نے کہا کہ ''ریڈکلف نے بہت واضح الفاظ میں مجھے بتایا کہ فیروز پور، زیرہ اور فاضلکہ کی تین تحصیلیں پاکستان کے حصے میں آ رہی ہیں۔ اس لیے یہ غیر ضروری ہے کہ یہ معاملہ اس کے ساتھ زیرِ بحث لایا جائے۔''

یہاں پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ریڈکلف نے ایوارڈ کا مسودہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو 9 اگست کو حوالے کر دیا تھا جبکہ ماؤنٹ بیٹن نے اس کا اعلان 17 اگست کو کیا۔ ریڈکلف کے غیر تبدیل شدہ ایوارڈ میں فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں مغربی پنجاب (پاکستان) میں شامل تھیں۔ لیکن تبدیل شدہ ایوارڈ میں یہ علاقے مشرقی پنجاب (بھارت) کو دیے گئے۔ شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تبدیلی 9 اگست اور 17 اگست کے درمیان کی گئی۔

بنگال میں اہم اور متنازعہ علاقہ کلکتہ کا تھا۔ یہ نہ صرف صوبہ بنگال کا دارالخلافہ تھا، بلکہ یہ ایک صنعتی، تجارتی اور تعلیمی مرکز کے علاوہ ایک اہم بندرگاہ بھی تھی۔ ایک طرف کلکتہ شہر میں مسلمان کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ تھے اور شہر کے نواحی علاقے جو کہ کلکتہ کی شہری زندگی اور بندرگاہ کا اہم حصہ تھے، وہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ دوسری طرف کلکتہ شہر کا بڑا حصہ مخصوص طبقوں (Scheduled Castes) پر مشتمل تھا۔ جن کا مسلم لیگ کے ساتھ صوبائی اور ہندوستان کے سیاسی محاذوں پر اتحاد تھا۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف کلکتہ کو ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا، بلکہ مسلم اکثریتی ضلع جات مرشد آباد اور نادیہ کو بھی ہندوستان کو سونپ دیا گیا۔ اور یوں تقریباً 15500 مربع کلومیٹر کا علاقہ جو کہ 3.5 ملین مسلمان آبادی پر مشتمل تھا اور جو عارضی طور پر مشرقی بنگال کے انتظام کا حصہ تھا، کو مشرقی بنگال سے علیحدہ کر کے مغربی بنگال کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اس طرح دونوں حد بندی کمیشنوں کے غیر منصفانہ فیصلوں کی وجہ سے پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کا اظہار 30 اکتوبر 1947ء کو قائداعظم نے یوں کیا:-

''ہم ایک بہت گہری اور سوچی سمجھی سازش کا شکار ہوئے، جس نے دیانت، بہادری اور عزت کے تمام اصول بالائے طاق رکھ دیے۔''

MDCAT BY FUTURE DOCTORS - YOUSEEF AHMED 03408515866

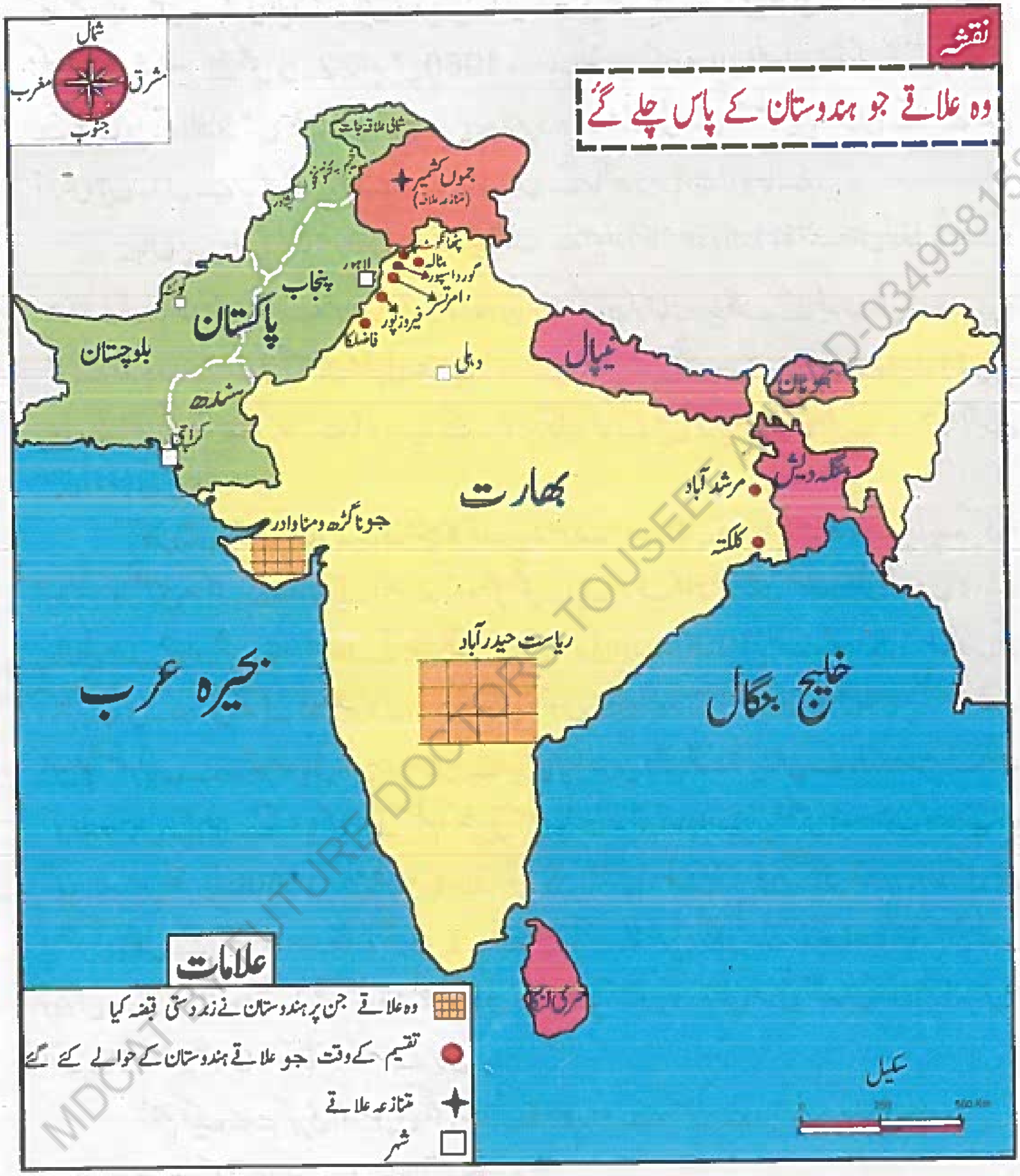

MDCAT FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

انتظامی امور کا مسئلہ

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ہندوستان آمد اور 3 جون منصوبے کے اعلان کے درمیان تقریباً اڑھائی ماہ کا عرصہ گزرا۔ ان چند مہینوں میں پاکستان کے بنانے اور ہندوستان کے تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق یہ جلد بازی انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ ایسے حالات میں پاکستان کا قیام غیر پائیدار ثابت ہوگا اور یوں جلد ہی پاکستان گونا گوں مسائل تلے دب کر ختم ہو جائے گا۔ جب تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہوا تو جو علاقے پاکستان کے حصے میں آئے، وہ کم ترقی یافتہ اور پسماندہ تھے اور تو اور اس نوزائیدہ مملکتِ پاکستان کے پاس ملک چلانے کے لیے ایک موزوں دارالخلافہ تک موجود نہیں تھا۔

انتظامی امور کے چلانے کے لیے صرف کراچی کا شہر تھا جو کہ ایک صوبے کے انتظامی امور چلانے کا بوجھ برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن کسی بھی لحاظ سے ایک ملک کے دارالخلافے کے لیے موزوں نہیں تھا۔ پاکستان بننے کے بعد شہر کراچی میں سرکاری ملازمین کے لیے دفاتر موجود نہیں تھے (روزمرہ دفتری ضروریات کی اشیاء کی بھی بے انتہا قلت تھی)۔ انتظامی امور چلانے کے لیے سرکاری ملازمین بھی ناپید تھے۔ خاص طور پر اہم انتظامی عہدوں پر تو ملازمین کی شدید قلت تھی۔ اصل میں متحدہ ہندوستان میں تمام اہم انتظامی عہدوں پر غیر مسلم/ہندو تعینات تھے۔ جو قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان چلے گئے۔ اس طرح اس نوزائیدہ مملکتِ پاکستان کو سرکاری و غیر سرکاری ملازمین کی قلت کا شدید سامنا کرنا پڑا۔

تاہم ان دشوار ترین مشکلات کے باوجود سرکاری ملازمین نے ہمت نہیں ہاری اور قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں تمام مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بتدریج ان مشکلات پر قابو پا لیا۔

مہاجرین کا مسئلہ

تقسیمِ ہندوستان کے منصوبے کے خدوخال واضح ہونے کے ساتھ ہندوستان کے مسلمان اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتلِ عام شروع کر دیا گیا۔ ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس پاکستان کی طرف ہجرت کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین پاکستان کی طرف آنا شروع ہوئے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو صرف تن پر

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03408175880

لباس لیے پاکستان پہنچے۔ان میں بے شمار افراد اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی قربانیاں دے کر آئے تھے۔ ان کو نہ صرف سر چھپانے اور روزگار کی ضرورت تھی بلکہ ان کو نفسیاتی دباؤ سے نکالنے کی بھی اشد ضرورت تھی۔ ان مہاجرین کی آبادکاری پاکستان جیسے ملک کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔تاہم پاکستان کے باسیوں نے بڑے حوصلے اور ہمت سے اس چیلنج کا سامنا کیا۔مہاجرین کی دیکھ بھال کی غرض سے قائداعظم بذاتِ خود لاہور تشریف لے گئے اور مہاجرین کا حوصلہ بلند کیا اور اُن کی آبادکاری کی نگرانی کی۔

اثاثوں کی تقسیم

تقسیم ہندوستان کے منصوبے کے تحت متحدہ ہندوستان کے اثاثوں کی تقسیم پاکستان اور بھارت کے درمیان طے پائی تھی۔باہمی بات چیت کے ذریعے نقد اثاثوں میں پاکستان کا حصہ 750 ملین روپے قرار پایا تھا۔قیامِ پاکستان کے بعد بھارت شروع میں رقم کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہا لیکن کچھ عرصے بعد 200 ملین روپے پاکستان کو ادا کر دیے گئے۔یہ پاکستان کے قیام کے ابتدائی دن تھے اور پاکستان کو رقم کی سخت ضرورت تھی۔ان حالات میں مہاتما گاندھی نے بھارتی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ پاکستان کا جائز حق ادا کردے۔اگرچہ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے گاندھی کو ٹالنے کی کوشش کی تاہم وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور اس وقت تک مرن بھرت (تادمِ مرگ بھوک ہڑتال) ختم کرنے پر تیار نہ ہوئے جب تک بھارتی حکومت نے پاکستان کو اپنا حصہ ادا نہ کیا۔تاہم بھارت نے 50 ملین روپے پاکستان کے حصے سے یہ کہہ کر روک دیے کہ پاکستان کے ذمے کچھ بقایا جات رہتے ہیں جو کہ اس رقم سے منہا کیے جائیں گے۔

افواج اور فوجی ساز و سامان کی تقسیم

3 جون 1947ء کے تقسیم ہند کے منصوبے کے مطابق متحدہ ہندوستان کی افواج اور فوجی ساز و سامان کی تقسیم کا طریقہ کار بھی وضع کیا گیا تھا۔یہ فریضہ سرانجام دینے کے لیے فیلڈ مارشل آچینلک (Field Marshal Auchinleck) کو ذمہ داری سونپی گئی۔اس کام کے دو پہلو تھے۔(1) افواج کی افرادی قوت کی تقسیم اور (2) فوجی ساز و سامان کی تقسیم۔برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہر دو ممالک کے الگ الگ کمانڈران چیف ہوں گے۔جبکہ سر آچینلک بحیثیت سپریم کمانڈر کے کام کریں گے تاکہ فوجی

اثاثہ جات کی تقسیم منصفانہ طریقے سے سرانجام پا سکے۔ سر آچینلک نے بہت محنت اور باریک بینی سے کام کرتے ہوئے افواج کی تقسیم کا پہلا مرحلہ 15 اگست 1947ء تک مکمل کر لیا (یعنی فوجی جوانوں اور افسران کی تقسیم کا مرحلہ)۔ تاہم ان افراد کو پاکستان پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ کام کی تیز رفتاری کو دیکھتے ہوئے کانگریسی رہنما سخت پریشان ہوئے کیونکہ ان کا تو یہ منصوبہ تھا کہ افواج کی تقسیم کم از کم دو سال کا عرصہ لے گی اور اس طرح پاکستان دو سال کے لیے بغیر افواج کے رہے گا۔ آچینلک کے کام کو دیکھتے ہوئے کانگریسی راہنماؤں کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ لہٰذا انھوں نے شور مچانا شروع کیا کہ آچینلک جانبداری اور ہندوستان مخالف رویہ اپنا رہا ہے۔ لہٰذا اس کو فوری طور پر ہٹایا جائے۔ آچینلک کو بھی کانگریسی راہنماؤں اور حتیٰ کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پاکستان مخالفانہ رویوں کا علم تھا۔ لہٰذا انھوں نے ایک خفیہ خط کے ذریعے برطانوی حکومت کو کانگریسی راہنماؤں اور ماؤنٹ بیٹن کے رویوں کی شکایت کی اور قائداعظم کو بھی خبردار کیا کہ اگر مشترکہ دفاعی کونسل (Joint Defence Council) کی تحلیل کی گئی تو پاکستان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے جائز فوجی سازوسامان سے محروم ہو جائے گا۔ دوسری طرف ماؤنٹ بیٹن جو پاکستان سے ذاتی وجوہ کی بناء پر خوش نہ تھا۔ برطانوی حکومت سے آچینلک کے ہیڈکوارٹرز کی بندش اور اسے انگلستان بلانے کے احکامات جاری کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح پاکستان اپنے جائز فوجی سازوسامان سے محروم کر دیا گیا۔ جو بچا کھچا فوجی سامان پاکستان کو مہیا کیا گیا۔ وہ زنگ آلود، ٹوٹا پھوٹا اور ناقابلِ استعمال تھا۔

نہری پانی کا مسئلہ

نہری پانی کا مسئلہ بھی ریڈکلف ایوارڈ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اس ایوارڈ کے تحت پنجاب کے علاقوں کی غیر منصفانہ تقسیم کی گئی اور دریائے راوی پر مادھو پور اور دریائے ستلج پر فیروز پور کے ہیڈورکس بھارت کے حوالے کر دیے گئے۔ حالانکہ ان ہیڈورکس سے نکلنے والی نہریں پاکستانی علاقے میں واقع ہیں اور ایک بڑے علاقے کے سیراب کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔ یکم اپریل 1948ء کو بغیر پیشگی اطلاع دیے بھارت نے پاکستان کی طرف آنے والا پانی بند کر دیا اور مطالبہ کیا کہ پاکستان اس پانی کی قیمت ادا کر دے۔ پنجاب کی زرخیز زمینوں کے لیے یہ پانی آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا پاکستان کا ایک وفد ہنگامی بنیادوں پر دہلی پہنچا اور عارضی طور پر بھارت کے ساتھ ان کی شرائط کے مطابق پانی کی ترسیل کے لیے معاہدہ کر لیا۔

چونکہ بھارت پنجاب کی سرسبز زمین کو بنجر صحرا میں تبدیل کر کے پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس مسئلے کے مستقل بنیادوں پر حل کے لیے پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں درخواست دائر کردی۔ عالمی بینک برائے ترقی و تعمیرِ نو (International Bank for Reconstruction and Development) کے صدر نے اپنی خدمات مسئلے کے حل کے لیے پیش کر دیں۔ جس کو دونوں ممالک نے 1952ء میں قبول کرلیا۔ مذاکرات کی رفتار کافی سست رہی اور بالآخر 19 ستمبر 1960ء کو دو معاہدوں پر بھارت کے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو اور پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے دستخط کر دیے۔ یہ دو معاہدے سندھ طاس اور سندھ طاس ترقیاتی فنڈ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

ان منصوبوں کے مطابق تین مغربی دریا یعنی سندھ، جہلم اور چناب پاکستان کے استعمال کے لیے مخصوص کر دیے گئے جبکہ تین مشرقی دریا راوی، بیاس اور ستلج بھارت کے لے مخصوص کر دیے گئے۔

ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ

تقسیمِ ہند کے وقت ہندوستان میں تقریباً 562 چھوٹی بڑی ریاستیں تھیں۔ قانونِ آزادی ہند 1947ء کے مطابق ان کو اختیار دیا گیا کہ وہ پاکستان یا بھارت جس کے ساتھ چاہیں شامل ہو جائیں۔ تاہم الحاق کا فیصلہ کرتے وقت والیانِ ریاست کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ریاست کی جغرافیائی حیثیت اور رعایا کی خواہشات و رجحانات کو مدنظر رکھیں۔ قیامِ پاکستان تک ماسوائے حیدر آباد، جونا گڑھ اور کشمیر کے تقریباً ساری ریاستیں خوش اسلوبی کے ساتھ بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کر چکی تھیں۔ تاہم مذکورہ ریاستیں پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی کا باعث بن گئیں۔

حیدر آباد:

ریاستِ حیدر آباد ہندوستان کی اہم ترین ریاستوں میں سے تھی۔ ریاست کا والی (نظام) مسلمان تھا لیکن آبادی ہندو اکثریت پر مشتمل تھی۔ اپنے وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے نظام حیدر آباد چاہتا تھا کہ وہ آزاد حیثیت سے اپنی ریاست کو برقرار رکھے اور کسی کے ساتھ الحاق نہ کرے۔ جب 3 جون منصوبے کے تحت فیصلہ ہوا تو نظام حیدر آباد نے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے استدعا کی کہ ریاست کو ڈومینین حیثیت

UPLOADED BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMED 03409855886

(Dominion Status) دی جائے۔ مگر وہ نہ مانا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے جانے کے بعد حیدر آباد کے نظام پر بھارت میں شامل ہونے کا دباؤ بڑھ گیا۔ ریاست کی ناکہ بندی کر دی گئی اور فوجی مہم جوئی کی تیاریاں شروع کی گئیں۔

24 اگست 1948ء کو ریاستِ حیدر آباد نے بھارت کے خلاف اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں شکایت درج کرادی لیکن اس سے پہلے کہ سیکیورٹی کونسل شکایت سننے کے لیے تاریخ مقرر کرتی، بھارت نے حیدر آباد میں فوج کشی کر دی۔ حیدر آباد کی ریاستی افواج نے مختصر مقابلے کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور یوں ریاستِ حیدر آباد کو بزورِ شمشیر بھارت میں شامل کر دیا گیا۔

جونا گڑھ

جونا گڑھ کراچی کے ساحل سے 480 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی ساحلی ریاست تھی۔ اگرچہ آبادی زیادہ تر ہندوؤں کی تھی لیکن ریاست کا سربراہ مسلمان تھا۔ ریاست کے والی نے 15 ستمبر 1947ء کو ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔ کچھ ہفتوں کے بعد بھارت نے ریاست پر فوج کشی کر کے ریاست کا انتظام سنبھال لیا۔

جموں و کشمیر

ریاستِ جموں و کشمیر رقبے کے لحاظ سے بھارت کی تمام ریاستوں سے بڑی ریاست ہے جس کا کل رقبہ 135900 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 1941ء کی مردم شماری کے مطابق 4 ملین نفوس پر مشتمل تھی۔ جس میں سے 77 فی صد مسلمان تھے۔ قیامِ پاکستان کے وقت مہاراجہ ہری سنگھ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ریاست کی آزاد حیثیت برقرار رکھ سکے۔ تاہم ریاست کا مستقبل ابھی واضح نہیں تھا۔ اس لیے مہاراجہ کسی آخری فیصلے تک دونوں ممالک یعنی پاکستان اور بھارت کے ساتھ معاہدہ جاریہ (حالات کے جوں کے توں رکھنے کا معاہدہ Standstill Agreement) کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ پاکستان نے مہاراجہ کے ساتھ اس طرح کے معاہدے پر دستخط کر دیے تھے لیکن بھارت اس کے لیے تیار نہ ہوا۔

جب قیامِ پاکستان اور آزادی ہند کی باتیں ریاست پہنچنا شروع ہوئیں تو ریاستی باشندوں بالخصوص

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-0349...

مسلمانوں میں ایک بے چینی کی کیفیت پھیل گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ ڈوگرہ مہاراجہ کے چنگل سے آزادی حاصل کرلیں۔ تاہم مہاراجہ اس کے لیے تیار نہ تھا۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کو دبانے کے لیے ریاستی اہلکاروں کے ذریعے تشدد کا راستہ اپنایا۔ کشمیری مسلمان، جو ہندو مہاراجہ کی نیت سے خوب واقف تھے، مہاراجہ کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور پہلی بار پونچھ کے مقام پر بغاوت کا آغاز کردیا۔ اس سے ریاست کے حالات مزید خراب ہوگئے۔ جب مہاراجہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو صوبہ خیبر پختونخوا کے بہادر قبائل اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد پر کمر بستہ ہوگئے۔ قبائلی اور کشمیری مجاہدین کی مشترکہ جدوجہد کے سامنے مہاراجہ کی افواج بے بس ہوگئیں اور مہاراجہ سری نگر سے جموں بھاگ گیا اور بھارت سے فوجی مدد کی اپیل کردی۔

بھارت کی باقاعدہ افواج کے سامنے غیر تربیت یافتہ کشمیری مجاہدین اور قبائل کو لڑنا مشکل ہوگیا۔ بھارتی افواج نے کشمیر کے آزاد کیے ہوئے حصوں پر پیش قدمی شروع کردی۔ ان حالات میں آزاد کشمیر اور پاکستانی سرحدات کے تحفظ کے لیے افواجِ پاکستان کو بھارتی افواج کی پیش قدمی روکنے کے لیے 1948ء میں احکامات صادر کیے گئے اور یوں بھارت اور پاکستان کی افواج کا پہلی بار آمنا سامنا ہوا۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان یہ لڑائی یکم جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق روک دی گئی۔

بھارت جنوری 1948ء میں مسئلہ کشمیر کو اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں پیش کرچکا تھا۔ اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں دونوں ممالک کے نمائندوں نے اپنے اپنے مؤقف پیش کیے۔ جس کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے باشندے استصوابِ رائے کے ذریعے کریں گے۔ یہ فیصلہ دونوں ممالک بھارت اور پاکستان نے تسلیم کرلیا۔ لیکن بعد میں بھارت حیلے بہانے کرنے لگا اور یوں آج تک کشمیری استصوابِ رائے کے ذریعے سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے منتظر ہیں۔

قائداعظم کا تصورِ پاکستان

قیامِ پاکستان کے بعد اس نوزائیدہ مسلمان مملکت کے بارے میں ملک کے سیاسی، مذہبی اور دانشور طبقات میں مختلف تصورات پائے جاتے تھے۔ تاہم بانیِ پاکستان نے مختلف اوقات میں اپنا تصور بہت واضح الفاظ میں بیان کیا۔ سب سے اہم اور واضح الفاظ انھوں نے 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ادا کیے۔ انھوں نے فرمایا:-

UPLOADED BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-03498115886

"اگر تم مل جل کر کام کرو اور ماضی کو بھلا دو اور پرانے جھگڑے دفن کر دو، تو کامیابی تمھارا مقدر ہوگی۔ اگر تم اپنے ماضی کو تبدیل کر دو اور ایک جذبے کے ساتھ مل جل کر کام کرو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم کس گروہ سے تعلق رکھتے ہو، تم سب سے اول، دوئم اور آخر میں اس ریاست کے شہری ہو۔ جہاں سب کے حقوق، مراعات اور ذمہ داریاں برابر ہیں، اگر اس جذبے کے ساتھ کام کیا جائے تو تم بے انتہا ترقی کر سکتے ہو۔ ہم اسی جذبے اور بنیادی اصول کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں کہ ہم تمام اس ملک کے برابر کے شہری ہیں۔ خواہ تم کسی بھی مذہب، قبیلے اور قوم سے تعلق رکھتے ہو اس کا ریاست کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہی مثالی اصول اپنے مدنظر رکھنا چاہیے، تو وقت کے ساتھ تمھیں اندازہ ہو جائے گا کہ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا، مذہبی لحاظ سے نہیں کیونکہ وہ ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے لیکن سیاسی لحاظ سے بحیثیت اس ملک کے شہری کے۔"

جب ہم اس تقریر پر غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ خیالات ایسے موقع پر ظاہر کیے گئے جب پورے برِصغیر میں فرقہ وارانہ فسادات نے تمام لوگوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ لاکھوں مسلمان، اور ہندو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ رہے تھے۔ تب قائداعظم نے فرقہ ورانہ ہم آہنگی کی بات کی اور برداشت اور مل جل کر کام کرنے کی تلقین کی۔ قائداعظم نے یہ بھی فرمایا کہ مذہبی رواداری اور غیر مسلموں کے حقوق اسلام کی عین روح کے مطابق ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس کی تعلیمات ہی ہمیں جمہوریت اور برابری کا درس دیتی ہیں اور ان ہی اصولوں کے مطابق ہم کاروبارِ ریاست چلائیں گے۔

مہاجرین کی آبادکاری

تقسیم ہند کے نتیجے میں فرقہ وارانہ فسادات سے تقریباً 6.5 ملین مہاجرین پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اتنے بڑے مسئلے کو خوش اسلوبی کے ساتھ حل کرنا ایک کٹھن امتحان تھا۔ چونکہ مہاجرین کے سب سے زیادہ قافلے لاہور کی طرف آ رہے تھے لہٰذا قائداعظم اکتوبر 1947ء میں وہاں خود تشریف لے گئے تاکہ مہاجرین کی آبادکاری کا جائزہ لے سکیں۔ 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے

ہوئے آپ نے فرمایا:

"اب یہ ہم پاکستانیوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ لاکھوں تباہ حال مہاجرین جو اپنا سب کچھ بھارت میں چھوڑ کر پاکستان آ رہے ہیں۔ان کی ہر ممکن امداد کریں۔انھیں یہ مصیبتیں اس لیے سہنا پڑیں کہ وہ مسلمان ہیں۔"

آپ نے تمام شہریوں سے اپیل کی کہ وہ ان مشکل حالات میں اپنے مہاجرین بھائیوں کی ہر قسم کی مدد کریں۔مہاجرین کے لیے قائداعظم ریلیف فنڈ کا قیام عمل میں لایا گیا۔اور لوگوں سے اپیل کی گئی کہ وہ فنڈ میں دل کھول کر عطیات جمع کرائیں۔ چونکہ مہاجرین کا مسئلہ کافی پیچیدہ تھا۔اس لیے لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان اور بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور مہاجرین کے مسئلے پر گفت وشنید کی۔جس کے مطابق یہ طے پایا کہ دونوں ممالک کی حکومتیں اپنے دائرہ اختیار میں اقلیتوں کے تحفظ کی ذمہ دار ہوں گی اور اکثریت کو اقلیت کے خلاف تشدد کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دونوں ممالک مہاجرین کی آبادکاری کے لیے ہر ممکن قدم اٹھائیں گے۔

سرکاری ملازمین کے لیے نصیحت

پاکستان کی آبادی قیامِ پاکستان کے وقت ہندوستان کے ایک چوتھائی تھی لیکن جو مسلمان سرکاری ملازمین پاکستان کے حصے میں آئے۔وہ اس نسبت سے کئی گنا کم تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف 82 مسلمان اعلیٰ سرکاری ملازمین پاکستان کی طرف ہجرت کر کے آئے۔جن میں سے صرف ایک سیکریٹری کے عہدے کا تھا اور کوئی آدھ درجن جائنٹ سیکریٹری کے عہدے کے برابر۔اس کے برعکس نچلی سطح پر معاملہ الٹا تھا۔بعض محکموں میں گنجائش سے زیادہ ملازمین تھے۔

سرکاری ملازمین نے کام شروع کیا۔اگرچہ حالات ناموافق تھے لیکن ملازمین میں جذبہ اور خلوص موجود تھا۔وہ چاہتے تھے کہ اپنی نوزائیدہ مملکت کو جلد از جلد پاؤں پر کھڑا کر دیں۔لہٰذا سرکاری ملازمین نے محنت اور لگن سے کام کیا۔قائداعظم محمد علی جناح نے ان حالات میں نہ صرف اُن کا حوصلہ بڑھایا بلکہ ان کے لیے مستقبل کے راستے کا تعین بھی کیا۔انھوں نے واضح الفاظ میں بتایا کہ سرکاری ملازمین کا رویہ حاکم کا نہیں بلکہ خادم جیسا ہونا چاہیے۔25، مارچ 1948ء کو سرکاری افسران سے خطاب کرتے ہوئے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03458 5886

قائداعظم نے فرمایا۔

''آپ (سرکاری افسران) کو قوم کے خادم کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دینے چاہییں۔ آپ کو کسی سیاسی جماعت سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہیے۔ کوئی بھی سیاسی جماعت برسرِ اقتدار آسکتی ہے۔ مگر آپ کا رویہ عوام سے ایسا ہونا چاہیے کہ ان کو احساس ہو کہ آپ حکمران نہیں، آپ قوم کے خادم ہیں۔ آپ انصاف، ایمانداری اور ثابت قدمی سے اپنے فرائض سرانجام دیں۔ اگر آپ میری نصیحت پر عمل پیرا ہوں گے تو مجھے یقین ہے کہ عوام کی نگاہ میں آپ کا مقام اور مرتبہ بلند ہوگا۔''

اس طرح کی نصیحتوں کا سرکاری ملازمین کی کارکردگی پر مثبت اثر پڑا۔ انھوں نے خوب محنت اور تندہی سے کام کر کے اس نوزائیدہ مملکت پاکستان کو ابتدائی مشکلات سے خوش اسلوبی سے نکال لیا۔

صوبائی اور نسلی تعصب سے گریز کرنے کی تلقین

اگرچہ برصغیر ہندوپاکستان کے مسلمان مختلف نسلوں، علاقوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن پاکستان بنانے کی جدوجہد میں ''دوقومی نظریے'' کے پرچم کے نیچے سب متحد ہوگئے اور انھوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی سخت مخالفت کے باوجود پاکستان حاصل کرلیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ اُسی جذبے کو برقرار رکھا جائے اور نسلی اور صوبائی تعصّبات سے دور رہا جائے۔ کیونکہ قائداعظم کی نظر میں ان کی وجہ سے پاکستان کے مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہ میں تقسیم ہو جائیں گے۔ لہٰذا بانیِ پاکستان نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے قوم کو متوجہ فرمایا۔ آپ نے 15 جون 1948ء کو فرمایا:-

''اب ہم پاکستانی ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی بلوچی، پٹھان، سندھی، بنگالی اور پنجابی نہیں بلکہ سب پاکستانی ہیں۔ ہماری سوچ اور ہمارا عمل پاکستانی کی حیثیت سے ہونا چاہیے اور ہمیں پاکستانی ہونے پر فخر کرنا چاہیے۔''

عوام میں جذبہ حب الوطنی اور یگانگت کے فروغ کے لیے قائداعظم نے مختلف صوبوں اور علاقوں کا دورہ کیا۔ لوگوں کو مسائل سے آگاہ کیا اور ان میں پاکستانیت کے جذبات کو فروغ دیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMED-03490815886

پاکستان کی معیشت کے رہنما اصولوں کا تعین

معیشت کا استحکام اور اقتصادی ترقی بھی ملک کی بقاء کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ لہٰذا قائداعظم نے اپنی تقریروں میں پاکستان کے معاشی اور اقتصادی نظام پر بھی روشنی ڈالی۔ پاکستان کے مستقبل کے مجوزہ نظامِ اقتصادیات سے متعلق آپ نے سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر یکم جولائی 1948ء کو ارشاد فرمایا:-

"مغربی معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لاتعداد ناقابلِ حل مسائل کھڑے کر دیے ہیں۔ مغربی طرز کا معاشی نظام ہمارے ملک میں خوشحالی اور ترقی پیدا نہیں کر سکتا، اس لیے ہمیں اپنی بہبود کے لیے کوئی نیا طریقہ وضع کرنا ہوگا اور دنیا کو ایسا معاشی نظام پیش کرنا ہوگا جس کی بنیادیں اسلامی مساوات اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہوں۔ ایسا کرنے سے ہم مسلمان قوم کی حیثیت سے دُنیا کو ایک ایسا معاشی نظام دینے میں کامیاب ہو جائیں گے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے امن کا پیغام بن کر آئے گا۔ یاد رہے کہ امن ہی سے انسانیت کی بقاء اور خوشحالی قائم رہ سکتی ہے۔"

قیام پاکستان کے وقت ملک کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک طرف ملک بے شمار مسائل میں اُلجھا ہوا تھا۔ جس کے لیے فوری طور پر مالی وسائل کی ضرورت تھی۔ دوسری طرف سرکاری خزانہ مکمل طور پر خالی تھا۔ متحدہ ہندوستان کے خزانے میں جو پاکستان کا جائز حق تھا۔ وہ بھی بھارت نے منفی رویہ اپنا کر پاکستان کو ادا کرنے سے گریز کیا۔ تاکہ پاکستان کو اقتصادی مشکلات میں ڈال کر دوبارہ ادغام کرنے پر مجبور کر دے۔ مغربی مبصرین کی بھی یہ رائے تھی کہ پاکستان کی بقاء اقتصادی لحاظ سے ناممکن ہے۔ تاہم پاکستانی عوام نے ہمت نہیں ہاری اور قائداعظم کی دانشمندانہ قیادت میں پاکستان کو ابتدائی اقتصادی مشکلات سے نکال باہر کیا اور ہندوؤں اور مغربی مبصرین کے تمام دعوؤں کو غلط ثابت کر دیا۔

خارجہ پالیسی کے رہنما اصول

پاکستان کی خارجہ پالیسی پر اظہار خیال کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فروری 1948ء میں فرمایا:-

"ہماری خارجہ پالیسی کا مقصد دُنیا کے تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنا ہے۔ ہم

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03098158886

کسی بھی ملک کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم ملکی اور بین الاقوامی تعلقات دیانتداری اور انصاف کے اصولوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ دُنیا میں امن اور بھائی چارے کے فروغ میں مدد دیں۔ پاکستان کبھی بھی ظلم وستم کے ستائے ہوئے لوگوں کو مالی اور اخلاقی مدد دینے سے گریز نہیں کرے گا اور ہمیشہ اقوامِ متحدہ کے دستور کی پاسداری کرے گا۔"

قائداعظم کے درج بالا بیان سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے خدوخال کی نشان دہی ہوتی ہے۔ ابتدائی دنوں میں یہی اصول پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد بنے۔ انھی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے پاکستان اس وقت کے پیچیدہ بین الاقوامی حالات سے کامیابی کے ساتھ باہر نکلا اور اپنی مؤثر خارجہ پالیسی کی بدولت ابتدائی دنوں کے معاشی مسائل پر قابو پانے میں بھی کامیاب ہوا۔

طلبہ کو حصولِ تعلیم کی تلقین

پاکستان کے حصول میں طلبہ نے ایک بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر ہندوپاکستان کے نوجوان طلبہ قائداعظم اور ان کے رفقاء کار کے ہراول دستے کے طور پر ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو طلبہ کے اہم کردار کا نہ صرف ادراک تھا بلکہ انھوں نے ہمیشہ ان کی کاوشوں کی تعریف کی ہے۔ ان کو مستقبل میں نوجوانوں سے بہت امیدیں وابستہ تھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نوجوان ہی ملک کا مستقبل ہیں۔ تاہم قیام پاکستان کے بعد قائداعظم نوجوان طلبہ سے مثبت سرگرمیوں کی امید رکھتے تھے۔ اُنھی امیدوں کے پیشِ نظر پشاور میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے نوجوانوں کو تلقین کی کہ وہ اپنی تمام تر توجہ حصولِ علم پر مرکوز رکھیں۔ قیامِ پاکستان کے سلسلے میں طلبہ نے جو اہم کردار ادا کیا، قائداعظم نے اس کی تعریف کی مگر فرمایا کہ طلبہ کو اب احتجاجی سیاست سے کلیتاً گریز کرنا ہوگا۔ اسی میں پاکستان کی بقا اور خوشحالی ہے۔

مسائل کے حل کے ذرائع

1۔ رہنمائی کی خصوصیات:۔

کسی بھی ملک وقوم اور ملت کے مسائل کے حل کرنے میں رہنما کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ ایک

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- YOUSEF AHMAD-03498815886

رہنما اسی وقت اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کر سکتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے کام اور ملک و ملت سے مخلص ہو اور اپنے فرائضِ منصبی انصاف کے اصولوں کے تحت ادا کرے۔ چونکہ رہنما پورے ملک وقوم کا سربراہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو اپنے ذاتی، خاندانی اور گروہی مفادات کو پسِ پشت ڈالنا پڑتا ہے اور ہمیشہ ملکی و قومی مفادات کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔ ان زرین اصولوں کو اپنا کر ہی کوئی بھی رہنما اپنے ملک وقوم کی تقدیر بدل سکتا ہے اور تاریخ میں اپنا نام سُنہری حروف کے ساتھ لکھوا سکتا ہے۔

2۔ گفت وشنید و مراعات:۔

دنیا کے کسی بھی مسئلے کا حل گفت وشنید کے ساتھ ممکن ہے۔ بلکہ ہر مسئلے کا حل گفت وشنید میں ہی پنہاں ہے۔ رہنمائی کی بہت سی خوبیوں میں سے یہ بھی ایک اہم خوبی ہے کہ رہنما نہ صرف گفت وشنید کے لیے تیار ہو بلکہ اس میں کھلے ذہن کے ساتھ بات چیت میں شامل ہونے کا جذبہ بھی موجود ہو۔ وہ نہ صرف دوسروں کو قائل کرنے کا ماہر ہو بلکہ اس میں یہ خوبی بھی موجود ہو کہ اگر مخالف کی بات وزن دار اور قابل قبول ہو تو وہ ایسی بات کو ماننے کا جذبہ اور ہمت رکھتا ہو۔ بےلوچ اور سخت گیر رہنما کبھی کبھار اپنے قوم و ملک کی تباہی کا ذمہ دار ثابت ہوتا ہے۔

3۔ ایمان، اتحاد اور تنظیم:۔

کسی بھی قوم کی ترقی عوام کے جذبہ ایمان، اتحاد اور تنظیم کے اصولوں پر منحصر ہے۔ اگر عوام جذبۂ ایمانی سے سرشار ہوں تو اُن کے لیے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ترین بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک کے استحکام، ترقی اور خوشحالی کے لیے عوام میں اتحاد بہت لازم ہے۔ کیونکہ اگر عوام میں اتحاد ہے تو ملک روبہ ترقی ہوگا ورنہ زوال اُس کا مقدر بن جاتا ہے۔

اسی طرح تنظیم کے بغیر بھی کوئی کام ڈھنگ سے سرانجام پانا مشکل ہے۔ کسی ملک کی ترقی میں ان تین زریں اصولوں کا اہم کردار ہے اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو ان کا بخوبی احساس تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے بار بار اپنے عوام پر زور دیا کہ ایمان، اتحاد اور تنظیم کا مظاہرہ کریں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMED-03498475886

سوالات

1. خالی جگہوں کو موزوں الفاظ سے پُر کریں۔

i. ہندوستان کے آخری وائسرائے __________ تھے۔

ii. بھارت کے پہلے وزیراعظم __________ تھے۔

iii. پنجاب حد بندی کمیشن میں پاکستان کی نمائندگی جسٹس دین محمد اور __________ نے کی۔

iv. ہندوستان کے مشترکہ نقد اثاثوں میں پاکستان کا حصہ __________ ملین روپے قرار پایا۔

v. ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ __________ منصوبے کے تحت ہوا۔

vi. سندھ طاس کے معاہدے پر __________ کو دستخط ہوا۔

vii. پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی صدارت __________ نے کی۔

2. بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کریں۔

i. پاکستان کے پہلے گورنر جنرل ______ تھے۔

(لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، قائداعظم، غلام محمد)

ii. پاکستان کے پہلے وزیراعظم ______ تھے۔

(سردار عبدالرب نشتر، لیاقت علی خان، عبدالقیوم خان، مولوی فضل الحق)

iii. تحصیل بٹالہ (ضلع گورداسپور) کی آبادی ______ فی صد مسلمانوں پر مشتمل تھی۔

(77،70 ،65 ،50)

iv. فیلڈ مارشل آچینلک (Auchinleck) کو ______ کی شکایت پر اپنے عہدے سے ہٹایا گیا۔

(گاندھی، قائداعظم، پنڈت نہرو، لارڈ ماؤنٹ بیٹن)

v. پاکستان اور بھارت کے نہری پانی کے تنازعہ سے پاکستان کے صوبہ ______ کا علاقہ سب سے زیادہ متاثر ہوا۔

(سرحد، پنجاب، سندھ، آزاد کشمیر)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMED-03498815886

3. مندرجہ ذیل میں سے صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

i. سر سائیرل ریڈکلف نے ہندوستان کی تقسیم کا منصوبہ پیش کیا۔

ii. بھارت میں پٹھان کوٹ کی شمولیت سے اُسے کشمیر تک پہنچنے کا زمینی راستہ مل گیا۔

iii. کلکتہ صوبہ بنگال کا دار الخلافہ تھا۔

iv. قیام پاکستان کے بعد ملک کو سرکاری ملازمین کی کوئی کمی درپیش نہ ہوئی۔

v. گاندھی نے پاکستان کو مشترکہ اثاثوں میں حصہ دلوانے میں مدد کی۔

4. درج ذیل کے مختصر جوابات لکھیں۔

i. ریڈکلف ایوارڈ کے تحت کون سے علاقے متنازعہ حیثیت اختیار کر گئے؟

ii. تقسیم ہند کے وقت پاکستان کو کیوں مسائل میں الجھا دیا گیا؟

iii. ضلع گورداسپور مسلم اکثریت والا علاقہ کیوں بھارت میں شامل کر دیا گیا؟

iv. فیلڈ مارشل آچینلک کو اُس کے عہدے سے کیوں ہٹا دیا گیا؟

v. قائداعظم نے طلبہ کو کس بات کی زیادہ تلقین کی؟

5. تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ کشمیر کا امکانی حل پیش کریں۔

6. پاکستان اور بھارت میں نہری تنازعہ کیوں پیدا ہوا؟ دونوں ممالک نے اس کے حل کے لیے کیا اقدامات کیے؟ ایک جامع نوٹ لکھیں۔

7. پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم کی قائدانہ صلاحیتوں پر روشنی ڈالیں۔

8. ایک اچھے راہ نما کے لیے کن کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؟

9. آپ کے خیال میں قوموں کے درمیان اختلافی مسائل کا بہترین حل کیا ہو سکتا ہے۔ موجودہ عالمی تناظر میں بحث کریں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS - YOUSEFF AHMAD 03499815886

ارضِ پاکستان

براعظم ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس کے جنوب میں ایک جزیرہ نما قطعہ زمین واقع ہے جو جنوبی ایشیا کہلاتا ہے۔ اس کو کوہ ہمالیہ اور اس کی شاخیں براعظم کے شمالی حصے سے جدا کرتی ہیں۔ جنوبی ایشیا کے شمال مغربی حصے میں سرزمینِ پاکستان 61° اور 76° طول بلد مشرقی اور 24° اور 37° عرض بلد شمالی کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا کل رقبہ 796096 مربع کلومیٹر ہے۔ شمالی علاقہ جات اور مغربی قبائلی علاقہ جات کو ملا کر کل رقبہ 868591 مربع کلومیٹر ہو جاتا ہے۔

پاکستان کے شمال میں کوہ ہمالیہ اور کوہ قراقرم کا پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہاں افغانستان کے علاقے واخان کی ایک پٹی پاکستان کو تاجکستان سے جدا کرتی ہے۔ شمال مغرب میں افغانستان واقع ہے۔ مغرب میں ایران کا اسلامی ملک ہے۔ پاکستان کے شمال مشرق میں مقبوضہ ریاست جموں و کشمیر کے علاوہ جمہوریہ چین کے علاقے سینکیانگ (XINJIANG) اور تبت واقع ہیں۔ مشرق میں بھارت کے علاقے پنجاب اور راجپوتانہ واقع ہیں۔ پاکستان کے جنوب میں بحیرہ عرب اور بحرِ ہند ہے۔

2017ء کی مردم شماری کے مطابق ہماری آبادی 207.7 ملین سے تجاوز کر چکی ہے۔

پاکستان کے محلِ وقوع کی اہمیت

پاکستان جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے ایشیا کے مرکز اور دنیا کے حساس ترین خطے میں واقع ہے۔ پاکستان کا محلِ وقوع بین الاقوامی تجارت، علاقائی سالمیت، اور اسلامی دنیا کے مفادات کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ دنیا میں چند ہی علاقے محلِ وقوع کے لحاظ سے اتنے اہم ہیں۔

پاکستان دنیائے اسلام کے درمیان میں واقع ہے جو مغرب میں مراکش سے لے کر مشرق میں انڈونیشیا تک پھیلی ہوئی ہے۔ شمال میں وسطِ ایشیا کی مسلم ریاستیں اور چین کا صوبہ سینکیانگ ہے۔ ان میں سے اکثر ممالک تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ جنوب مشرق کے مسلم ممالک بعض معدنی اور زرعی پیداوار کے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TO YOUSEF AHMAD 03499015886

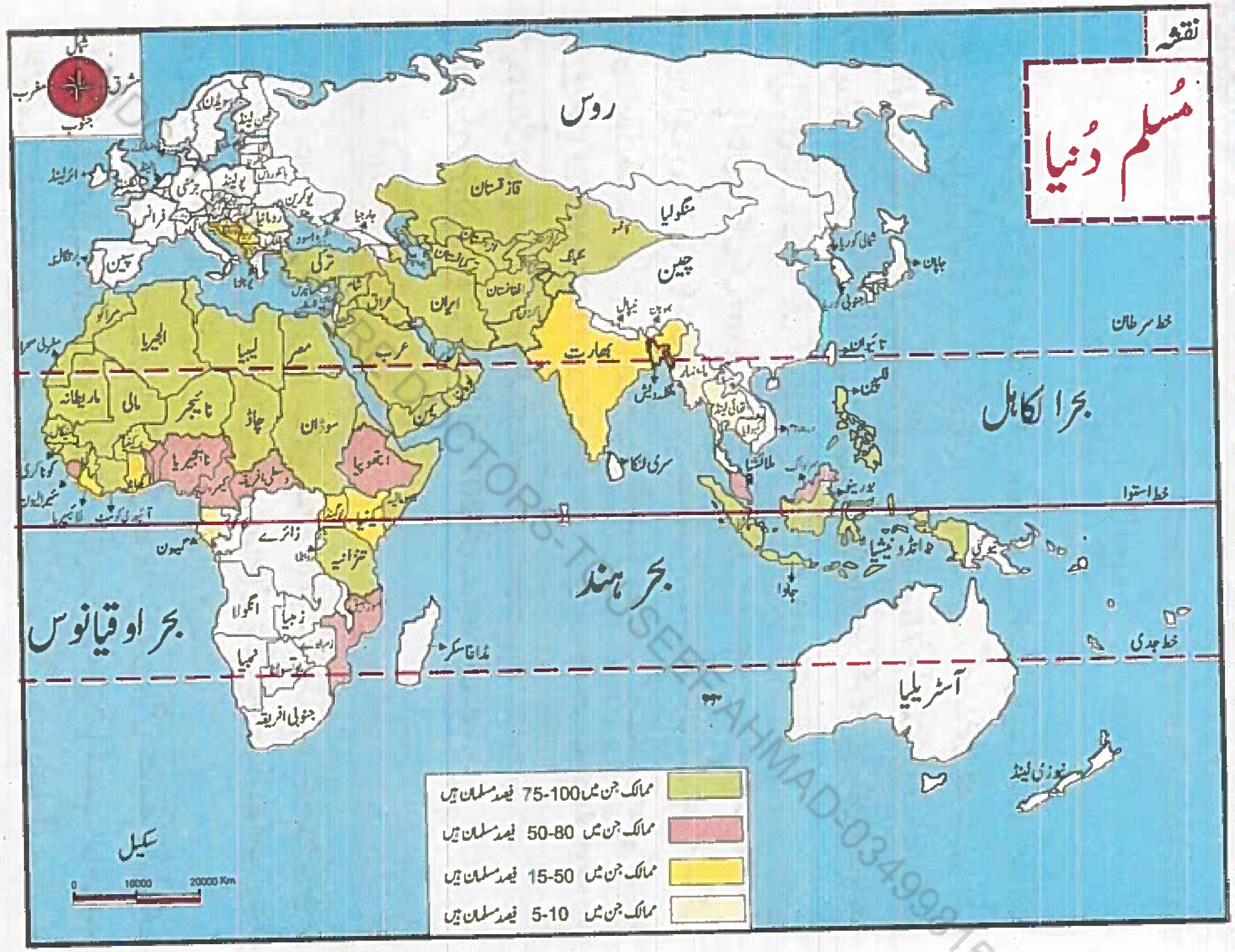

نقشہ
مُسلم دُنیا
شمال
جنوب
مشرق
مغرب
روس
قازقستان
منگولیا
چین
جاپان
بھارت
سری لنکا
ایران
عرب
ترکی
سپین
فرانس
جرمنی
پولینڈ
الجیریا
لیبیا
مصر
ماریطانیہ
مالی
نائیجر
چاڈ
سوڈان
ایتھوپیا
نائیجیریا
کینیا
تنزانیہ
زائرے
انگولا
زمبیا
نمیبیا
جنوبی افریقہ
مڈغاسکر
ملائشیا
انڈونیشیا
آسٹریلیا
نیوزی لینڈ
بحر اوقیانوس
بحر ہند
بحر الکاہل
خط سرطان
خط استوا
خط جدی
سکیل
0
10000
20000 Km
ممالک جن میں 75-100 فیصد مسلمان ہیں
ممالک جن میں 50-80 فیصد مسلمان ہیں
ممالک جن میں 15-50 فیصد مسلمان ہیں
ممالک جن میں 5-10 فیصد مسلمان ہیں

لیے اہم ہیں۔ان تمام ممالک کے ساتھ ہمارے تاریخی، مذہبی، ثقافتی اور تجارتی رشتے قائم ہیں۔
شمال مشرق میں پاکستان کی سرحدیں چین سے ملی ہوئی ہیں۔ چین کے ساتھ شاہراہ قراقرم کے راستے تجارت اور آمدورفت ہوتی ہے۔شاہراہِ قراقرم تجارتی اور فوجی لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔

پاکستان ۔ وسطی ایشیا کا دروازہ

پاکستان کے جنوب میں بحیرہ عرب ہے جو بحر ہند کا شمالی حصہ ہے۔ یہ بین الاقوامی سیاست کے لحاظ سے ہمیشہ خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ بحیرہ عرب کے کنارے کراچی کی اہم ترین بندرگاہ ہے جو بین الاقوامی بحری اور فضائی راستوں پر واقع ہونے کے باعث یورپی، ایشیائی اور افریقی ممالک کے درمیان روابط میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ چین کی مدد سے تعمیر ہونے والی نئی بندرگاہ گوادر انھی روابط کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کو پورا کر سکے گی۔ان بندرگاہوں کی سہولت کی وجہ سے پاکستان کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔
افغانستان، تاجکستان، ازبکستان، کرغزستان، قازقستان، ترکمانستان اور آذربائیجان خشکی سے گھرے ہوئے ہیں۔ان کی اپنی کوئی ایسی بندرگاہ نہیں جس کے ذریعے آسانی سے بین الاقوامی بحری تجارتی راستوں تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ افغانستان پہلے ہی سے اپنی بیرونی تجارت کے لیے پاکستان پر انحصار کرتا ہے۔ سویت یونین سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ان مسلم ریاستوں اور پاکستان کے درمیان صدیوں پرانے رشتے بحال ہو رہے ہیں۔ تیل، گیس، بجلی، سیاحت وثقافت، بنک کاری، صنعت وتجارت، تعلیم اور دیگر کئی شعبوں میں باہمی اشتراک اور امداد وتعاون کے معاہدے ہو چکے ہیں۔ ایران، ترکی اور پاکستان پر مشتمل اقتصادی تعاون کی تنظیم (سابقہ آر سی ڈی) میں بھی ان مسلم ممالک اور افغانستان کو شامل کیا جا چکا ہے۔ان ممالک پر مشتمل قدرتی وسائل سے مالا مال وسیع وعریض خطہ مستقبل قریب میں اقتصادی ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار ہوگا۔ اس مقصد کے لیے آمدورفت کے ذرائع بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ افغانستان کے ساتھ کوئٹہ سے قندھار تک ریل کی پٹڑی بچھانے کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ وسطِ ایشیائی مسلم ریاستوں سے ریل کا رابطہ قائم کرنے کا منصوبہ زیرِ غور ہے۔ وسطی ایشیا اور بحیرہ کیسپین کا خطہ دنیا کے تیل وگیس کے سب سے بڑے ذخائر کا علاقہ بتایا جاتا ہے۔ ترکمانستان سے براستہ افغانستان گیس پائپ لائن بچھانے کا معاہدہ بھی ہو چکا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

ایک خوش آئند مستقبل کی جانب پیش قدمی کے طور پر پاکستان نے اپنی سڑکوں، ریلوں، بندرگاہوں اور ٹیلی مواصلات وغیرہ کے نظام کو وسیع اور جدید ترین بنانے کے لیے تیزی سے کام شروع کر دیا ہے۔اس سے نہ صرف اندرون ملک تجارت اور آمدورفت وغیرہ میں سہولت پیدا ہوگی بلکہ افغانستان اور وسطِ ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت و آمدورفت اور اقتصادی روابط کو وسعت اور استحکام بھی نصیب ہوگا اور یہ ممالک آسانی سے بحرِ ہند تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔

بھارت کو اپنی معیشت آگے بڑھانے کے لیے توانائی کی اشد ضرورت ہے۔ یہ توانائی اسے وسط ایشیائی ریاستوں قطر اور ایران کے تیل و گیس کے ذخائر سے حاصل ہو سکتی ہے۔ پاکستان اپنی سرزمین سے پائپ لائن گزارنے کی پہلے ہی سے اجازت دے چکا ہے۔

پاکستان کے طبعی خدوخال

پاکستان ایک وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔اس لیے اس کے خدوخال ایک جیسے نہیں، اور یہ سب خدوخال اپنی الگ الگ خاصیتیں رکھتے ہیں۔اس لحاظ سے سرزمینِ پاکستان کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ شمالی پہاڑی سلسلے
2۔ مغربی پہاڑی سلسلے
3۔ کوہستان نمک و سطح مرتفع پوٹھوہار
4۔ دریائے سندھ کا میدانی علاقہ
5۔ سطح مرتفع بلوچستان
6۔ تھل و تھر کا ریگستانی علاقہ
7۔ ساحلی علاقہ

1. شمالی پہاڑی سلسلے میں ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش کے طویل اور برف پوش پہاڑ شامل ہیں۔کوہِ ہمالیہ کے سلسلہ کو مندرجہ ذیل پہاڑوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

i۔ شوالک ii۔ پیر پنجال iii۔ ہمالیہ کبیر iv۔ کوہ لداخ

2. مغربی پہاڑی سلسلے پاکستان کے ایک وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل مشہور پہاڑ شامل ہیں۔

i۔ شندور یا ہندوراج (ہندوکش) ii۔ دیر، سوات اور سندھ کوہستان iii۔ کوہ سفید

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03408815886

iv۔ وزیرستان کے پہاڑ v۔ کوہ سلیمان vi۔ کوہ کیرتھر

3. کوہستان نمک و سطح مرتفع پوٹھوہار:۔ کوہستان نمک کا سلسلہ ضلع جہلم کے جنوب سے شروع ہوکر مغرب میں کوہ سلیمان سے جاملتا ہے۔ سطح مرتفع پوٹھوہار کوہ نمک کے شمال میں واقع ہے۔

4. دریائے سندھ کے میدانی علاقے کو بالائی اور زیریں میدانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

5. سطح مرتفع بلوچستان کا وسیع علاقہ پاکستان کے جنوب مغربی حصے میں پھیلا ہوا ہے۔

6. تھل و تھر کا ریگستان

i. دریائے سندھ اور جہلم کے درمیان ریگستانی علاقہ تھل کہلاتا ہے۔

ii. تھر کا ریگستانی علاقہ پاکستان کے جنوب مشرق میں بہاولپور سے شروع ہوکر رن کچھ کے علاقے تک چلا جاتا ہے

7. ساحلی علاقے:۔ پاکستان کا ساحلی علاقہ صوبہ سندھ میں رن کچھ اور بھارتی سرحد سے شروع ہوکر مغرب میں ایران کی سرحد تک چلا جاتا ہے۔ یہ دو حصوں یعنی ساحل سندھ اور ساحل مکران پر مشتمل ہے۔

پاکستان کی آب وہوا

پاکستان خط سرطان کے اوپر واقع ہے۔ اس کا زیادہ حصہ سمندر سے دور ہے۔ اس لیے یہاں کی آب وہوا شدید قسم کی ہے۔ جسے بری قسم کی آب وہوا کہتے ہیں۔ یہاں چاروں موسم آتے ہیں لیکن دو موسم گرما اور سرما اہم ہیں۔ موسم گرمائی سے ستمبر تک ہوتا ہے۔ اس موسم میں شدید گرمی پڑتی ہے بعض مقامات پر درجہ حرارت 50 سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے مثلاً سبی اور جیکب آباد دنیا بھر کے گرم ترین مقامات کے طور پر شہرت رکھتے ہیں۔ موسم سرما میں کوئٹہ، زیارت، مری، چترال، گلگت اور دیر میں سخت سردی پڑتی ہے اور بعض مقامات پر درجہ حرات نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ موسمِ گرما اور موسم سرما میں نمایاں فرق کی وجہ ملک کے بیشتر حصے کا ساحل سمندر سے دور ہونا ہے۔

آب وہوا کے لحاظ سے پاکستان کے خطے

آب وہوا کے لحاظ سے پاکستان کو مندرجہ ذیل خطوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499815886

پاکستان کا طبعی نقشہ
کوہ ہندوکش
کوہ سفید
چین
N
کوہ قراقرم
صحرائے تھل
کوہ وزیرستان
پیر پنجال
افغانستان
وادی جموں
کوہ ہمالیہ
سطح مرتفع بلوچستان
سطح مرتفع پوٹھوہار
کوہ شوالک
صحرائے خاران
دریائے سندھ کا بالائی میدان
ایران
بھارت
کوہ کھیر تھر
صحرائے چولستان
صحرائے تھر
مکران کی پہاڑیاں
سندھ کا ڈیلٹا
دریائے سندھ کا زیریں میدان

1) سرد آب وہوا کا شمالی اور شمال مغربی پہاڑی خطہ:۔

پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں موسمِ سرما میں سخت سردی پڑتی ہے۔ بلند مقامات پر برف باری ہوتی ہے اور درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ اس سردی میں نہ تجارت ہو سکتی ہے اور نہ زراعت۔ کاروبارِ زندگی سست پڑ جاتا ہے۔ لوگ جفاکش ہیں۔ روزی کی تلاش میں میدانی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ پہاڑوں کی ڈھلوانی سطح پر برف باری اور بارش کے باعث کاشتکاری کی بے شمار دشواریوں کی وجہ سے لوگ متبادل پیشے جیسے مال مویشی پالنا، محنت مزدوری کرنا اور ملازمت کرنا اختیار کرتے ہیں۔ ان دشواریوں کی وجہ سے ذرائع آمد و رفت بھی کم ہیں۔ موسم کی خرابی، گھنے بادل، بارش اور برف باری کی وجہ سے شمالی علاقوں سے زمینی اور فضائی راستے منقطع ہو جاتے ہیں۔ زیادہ بارشوں اور برف باری سے شاہراہ قراقرم اور گلیات وغیرہ میں عموماً پہاڑی تودے راستہ بند کر دیتے ہیں۔

2) شدید آب وہوا کا شمالی میدانی خطہ:۔

شمالی پہاڑی علاقوں کے جنوب میں وسیع میدانی علاقہ ہے۔ یہاں کی آب وہوا شدید قسم کی ہے یعنی سردیوں میں سخت سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی پڑتی ہے اور بارش بھی ہوتی ہے۔ زمین کی زرخیزی، پانی کی فراہمی اور خاص طور پر آب وہوا زراعت کے لیے موزوں ہے۔ گرمی ہو یا سردی دونوں موسموں میں فصلیں اگائی جا سکتی ہیں۔ فصلوں کا تعین بھی آب وہوا پر منحصر ہے۔ میدانی علاقے کے لوگ زراعت کے علاوہ تجارت، صنعت و حرفت، سرکاری و غیر سرکاری ملازمت اور ذاتی کاروبار وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ زمین ہموار ہے۔ سارے شہر اور گاؤں چھوٹی بڑی سڑکوں اور ریلوے کے ذریعے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ بڑے شہروں میں ہوائی جہاز اندرون ملک اور بیرون ملک آتے جاتے ہیں۔ تعلیم اور زندگی کی دوسری سہولتیں موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ ملک کا گنجان ترین علاقہ ہے۔

موسمِ گرما میں دن کے وقت گرم اور خشک ہوائیں چلتی ہیں۔ جنھیں "لو" کہتے ہیں۔ بعض اوقات یہ گرم ہوائیں گرد آلود آندھی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ کبھی کبھی گرج چمک کے ساتھ بارش ہو جاتی ہے۔ جو عارضی طور پر سکون کا باعث بنتی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03408815880

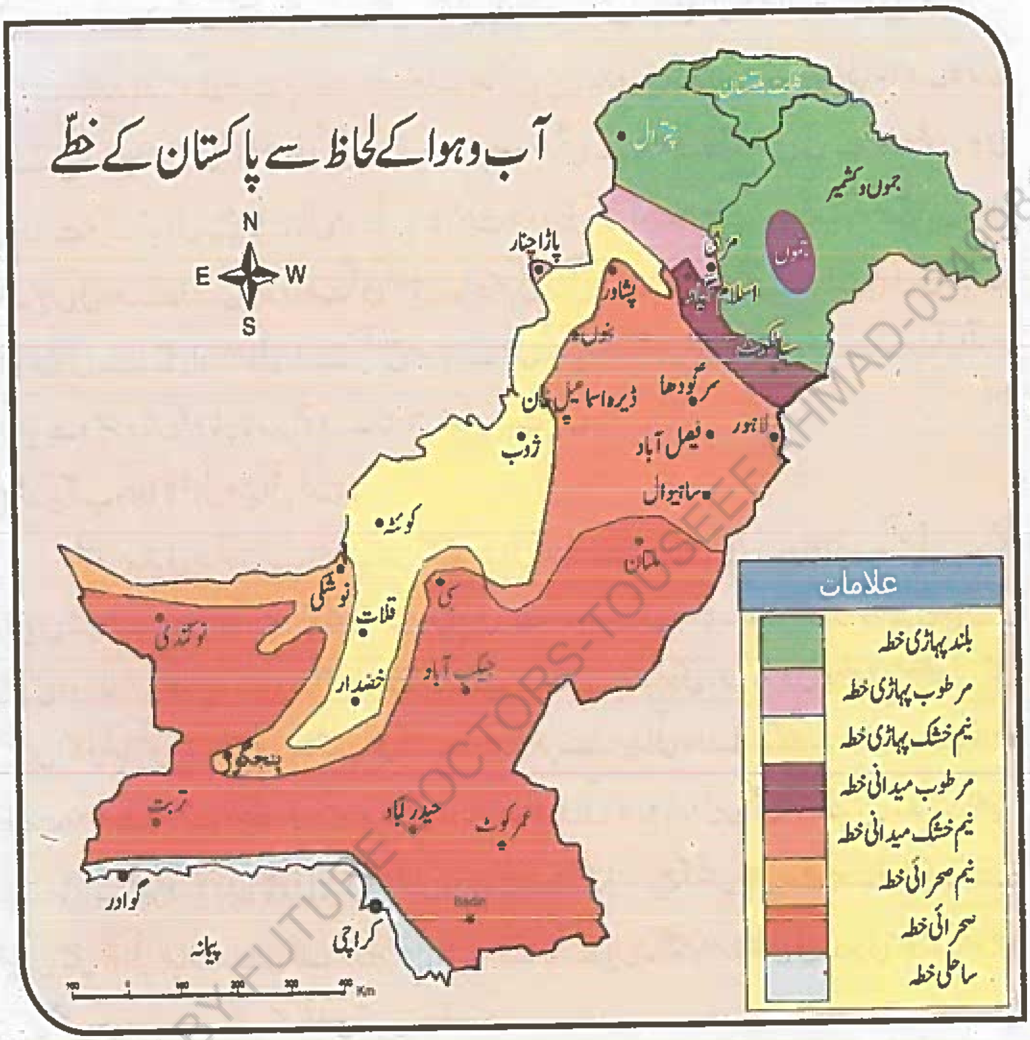

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOOSEEF AHMAD-03409815886

3) زیریں وادی سندھ اور ریگستان تھر کا خطہ:۔

جنوبی اور مشرقی وادی سندھ میں صحرائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہاں موسم گرما میں دن کے وقت شدید گرمی پڑتی ہے۔ گرم خشک ''لو'' اور غبار آلود آندھیاں چلتی ہیں۔ جن کی وجہ سے کام کاج مشکل ہو جاتا ہے۔ البتہ رات کے وقت درجہ حرارت میں کمی آ جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ ڈھیلے ڈھالے کپڑے اور سر پر پگڑیاں باندھتے ہیں تاکہ سورج کی تپش، لو اور گرم ریتلی ہوا سے محفوظ رہ سکیں۔ سردیوں کا موسم مختصر ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کا عام پیشہ گلہ بانی ہے۔ جن علاقوں میں آب پاشی کا انتظام ہے وہاں کاشت کاری کی جاتی ہے۔ لوگ کھلے اور ہوادار گھروں میں زندگی گزارتے ہیں۔ مکانوں کی دیواریں موٹی اور کچی ہوتی ہیں۔ جن علاقوں تک نسیم بحری پہنچتی ہے وہاں گھروں کی چھتوں پر بادگیر سمندر کے رخ بنائے گئے ہیں۔ ان تمام باتوں کا مقصد گھروں کو گرمیوں میں ہوادار اور ٹھنڈا رکھنا ہے۔ جن علاقوں میں ریت زیادہ ہے وہاں آمدورفت مشکل ہے۔ لوگ اونٹوں پر رات کو سفر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ علاقہ خشک سالی کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ پانی اور چارہ کی کمی کی وجہ سے مال مویشیوں کا بڑا جانی نقصان ہوتا ہے۔

4) بری آب و ہوا کا سطح مرتفع بلوچستان کا خطہ:۔

سطح مرتفع بلوچستان کی آب و ہوا بھی شدید قسم کی ہے۔ بارش اور پانی کی کمی نے پورے بلوچستان کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ یہ علاقہ زیادہ تر بے آب و گیاہ خشک اور ریگستانی ہے۔ موسم گرما میں خوب گرمی پڑتی ہے۔ سبی اور لورالائی کے گرم ترین علاقے بھی اس خطے میں ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں جہاں تھوڑا بہت پانی ملتا ہے وہاں عملِ تبخیر سے بچنے کے لیے زمین دوز نالیوں یا کاریز کے ذریعے آب پاشی کی جاتی ہے۔ اس خطے کے مشرق اور شمال مشرقی حصے میں سرد اور خشک آب و ہوا کی بدولت پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کے پھلوں کا 45 فیصد حصہ بلوچستان فراہم کرتا ہے۔

5) بحری آب و ہوا کا ساحلی خطہ:۔

جنوب کی طرف بڑھیں تو ساحلی علاقہ آ جاتا ہے، جہاں سمندر قریب ہونے کی وجہ سے آب و ہوا معتدل اور مرطوب ہے۔ آب و ہوا مرطوب ہونے کی وجہ سے کراچی میں سوتی کپڑے کے کارخانے زیادہ ہیں کیونکہ رطوبت کی وجہ سے دھاگہ نہیں ٹوٹتا۔ پام کے درختوں کی کاشت کے لیے ساحلی علاقے کی آب و ہوا کو

موزوں پایا گیا ہے۔لہٰذا ملائیشیا سے پودے لا کر یہاں لگائے گئے ہیں۔ان کی پھلیوں سے کھانے کا تیل حاصل کیا جاتا ہے۔

آب وہوا کا انسانی زندگی پر اثر:۔

انسان کی زندگی پر آب وہوا کا اثر مسلمہ ہے۔اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ پرانی تہذیبیں وہیں پھلی پھولیں جہاں انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے لیے آب وہوا انتہائی سازگار رہی۔ موجودہ دور کی سائنسی ترقی نے موسمی حالات کو اپنے طور پر ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔لیکن اس کے باوجود آب وہوا انسان کی صحت،طرزِ بودوباش،کاروبار،عادات،لباس،سوچ،رسم ورواج اور نقل وحرکت پر پوری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتی ہے۔

پاکستان ایک وسیع ملک ہے۔اس کے طبعی خدوخال میں یکسانیت نہیں۔اس کے کل رقبہ کے 60فیصد حصہ پر پہاڑ اور سطوح مرتفع ہیں جبکہ باقی ماندہ حصے میدانی اور صحرائی ہیں۔اس طرح اس کی آب وہوا بھی ایک حصہ سے دوسرے حصے میں مختلف ہے۔اس فرق کی نسبت سے مختلف علاقوں میں تقسیم آبادی،لوگوں کے رہن سہن اور ان کی مصروفیات میں بھی فرق ہے۔

معاشی عدم توازن:۔

معاشی عدم توازن سے مراد یہ ہے کہ ہمارے اخراجات زیادہ اور آمدن کم ہو یا ہماری ضروریات زندگی کا حصول آمدن میں ممکن نہ ہو۔پاکستان گزشتہ 63 سالوں سے معاشی عدم توازن کا شکار رہا ہے۔کیونکہ آمدن کم اور اخراجات زیادہ رہے ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے غیر ترقیاتی اخراجات بہت زیادہ اور ترقیاتی اخراجات کم ہیں۔ہماری برآمدات کم اور درآمدات زیادہ ہیں۔اس لیے بجٹ میں خسارہ معاشی عدم توازن کا شکار رہا ہے۔

ہمیں اپنے بجٹ کا بڑا حصہ قرضوں پر سود کی شکل میں ادا کرنا پڑتا ہے یا پھر دفاع کے اخراجات پورے کرنے پڑتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں اخراجات پاکستان کے بجٹ کا قریباً 80فی صد بن جاتے ہیں اور ترقیاتی اخراجات بمشکل 20فی صد رہ جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہم عدم استحکام کا شکار رہے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03409815866

معاشی عدمِ استحکام کے اسباب

قیامِ پاکستان کے وقت آبادی زیادہ تھی اور وسائل موجود نہ تھے۔ پاکستان غیر موزوں حالات سے دوچار تھا کہ 1948ء کی پاک بھارت جنگ نے پاکستان کے لیے مزید مشکلات پیدا کیں۔

حکومت پاکستان نے ترقی کے لیے پانچ سالہ پروگرام شروع کیے جن کی بدولت صنعتوں کو فروغ دیا گیا۔ زراعت کی ترقی کے لیے ڈیم اور نہریں بنائی گئیں۔ معاشی حالت کو بہتر کرنے کے لیے عالمی برادری سے امداد لی جس سے صنعت اور زراعت میں ترقی ہوئی۔

1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں نے ایک بار پھر ہماری معیشت کو بُری طرح متاثر کیا۔ ان حالات کی بدولت پاکستان کے اُوپر قرضہ اور سود بڑھتا گیا۔

ہماری حکومتوں نے اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے فوجی قوت بڑھانے پر توجہ دی، جبکہ سیاسی عمل تھوڑے تھوڑے وقفوں سے ٹوٹتا رہا۔ سیاسی عمل کے مسلسل جاری نہ رہنے کی وجہ سے ملک میں نہ تو استحکام آسکا اور نہ ہی لوگوں میں اعتماد کی فضا پیدا ہو سکی۔

سیاسی جماعتوں کی پالیسیاں بھی بدلتی رہیں۔ نیشنلائزیشن کی پالیسی کی وجہ سے صنعتی ترقی رک گئی۔ ملک میں پانی کی کمی کا مسئلہ سنگین ہوتا گیا۔ بجلی کا بحران بھی رہا، جس سے صنعت کاروں کا اعتماد ٹوٹ گیا۔ صوبوں میں ترقی کے یکساں مواقع نہ پیدا ہو سکے۔ پھر جنگ کے سائے بھی ہماری سرزمین پر چھائے رہے۔

پاک بھارت تعلقات کشمیر کے مسئلے پر ہمیشہ خراب رہے۔ اب دونوں ممالک ایٹمی قوت بن چکے ہیں جبکہ ان کے درمیان مسائل جوں کے توں کھڑے ہیں۔ اقوام متحدہ اور عالمی برادری بھی کشمیر جیسے مسئلے پر ثالثی سے پرہیز کرتی ہے۔ اس صورت میں نئی صنعتیں لگانے اور نئی سرمایہ کاری کے امکانات کم ہوتے چلے گئے۔ دوسری طرف افغانستان کے حالات بھی ہماری معیشت پر منفی طور پر اثر انداز ہوتے رہے۔ سمگلنگ اور منشیات نے ہماری معیشت کو تباہ کر دیا۔ اس طرح ہم ترقی کے بجائے قرضوں کے بوجھ تلے دبتے چلے گئے۔ آج بھی پاکستان اربوں ڈالر کا مقروض ہے۔

آبادی میں تیز رفتار اضافے کی وجہ سے معاشی حالت کا سنبھلنا مشکل ہو گیا ہے۔ پاکستان کے مختلف اضلاع پس ماندہ رہے جس کی وجہ سے لوگ شہروں کی طرف نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ ہم زرعی ملک ہونے کے

باوجود زراعت میں خود کفیل نہ ہو سکے۔ سیاحت کے بہتر مواقع ہونے کے باوجود ہم ساحلوں اور شمالی علاقہ جات کو ترقی نہ دے سکے۔ ہم تیل، گیس، پن بجلی اور آبی ذخائر سے بھی بہتر طور پر فائدہ نہ اٹھا سکے۔

ان حالات میں موجودہ حکومت نے معاشی ترقی کو مثبت رُخ پر ڈھالنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ پاکستان کے نسبتاً پسماندہ علاقوں سندھ، بلوچستان، خیبر پختونخوا اور جنوبی پنجاب پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے نئے ڈیم تعمیر کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔

سیاحت

جنگِ عظیم دوم کے بعد "سیاحت" کو باقاعدہ صنعت (Industry) کا درجہ دے دیا گیا۔ اسے معاشی ترقی اور ملکی خوشحالی میں اضافہ کرنے کا ذریعہ مانا گیا ہے۔ آج کل سیاحت کئی ملکوں کی قومی آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے۔

سیاحت سے جہاں حکومت کو زرِ مبادلہ حاصل ہوتا ہے وہاں لوگوں میں خیر سگالی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کے مواقع ملتے ہیں۔ علاقائی اور عالمی امن و بھائی چارہ کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ سیاحت کی اہمیت کے پیشِ نظر حکومت پاکستان نے اسے 1970ء میں باقاعدہ صنعت کا درجہ بخشا۔ سیاحت کے فروغ اور سیاحوں کی سہولت کے لیے پاکستان ٹورزم ڈیویلپمنٹ کارپوریشن (پی ٹی ڈی سی) قائم کی گئی ہے جو کہ وزارتِ سیاحت کے زیرِ نگرانی اور رہنمائی میں کام کرتی ہے۔

سیاحوں کے لیے سامانِ دلکشی

پاکستان دنیا کے ان چند گنے چنے ملکوں میں شمار ہوتا ہے جہاں سیاحوں کی دلکشی، شوق و تسکین کے لیے فلک بوس برف سے ڈھکے پہاڑ، گلیشیر، جنگلات سے ڈھکی حسین و جمیل وادیاں، بلند ترین چوٹیاں، تاریخی مقامات، آثارِ قدیمہ کے نوادرات، رنگا رنگ روایات، روایتی میلے، ثقافتی رنگینیاں اور نیلگوں ساحلِ سمندر موجود ہے۔

شمالی علاقہ جات

شمالی علاقہ جات میں قدرت نے اتنے رنگا رنگ قدرتی مظاہر اور حسین نظارے جمع کر دیے ہیں کہ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886

دنیا میں ایسے بہت کم مقامات ہوں گے۔ موسمِ خزاں میں درختوں کے پیلے اور زعفرانی پتے ایسا سماں باندھتے ہیں جیسے جنگل میں رنگوں کی آگ بھڑک اٹھی ہو۔ موسمِ گرما میں سیب، ناشپاتی اور آڑو کے درخت پھلوں سے لدے ہوتے ہیں۔ ان وادیوں کے اطراف میں جگہ جگہ خوبصورت آبشاریں، ان کے دلفریب حسن میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔ یہاں جھیلوں، چشموں اور قدرتی نالوں میں ٹراؤٹ مچھلی بکثرت پائی جاتی ہے۔ یہاں دنیا کے تین عظیم پہاڑی سلسلے کوہ ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش گلے ملتے ہیں۔ ان میں دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے۔ٹو (8611 میٹر) کے علاوہ 36 دوسری بلند چوٹیاں ہیں۔ ان میں نانگا پربت (8126 میٹر) راکاپوشی (7788 میٹر) اور ترچ میر (7690 میٹر) نمایاں ہیں۔ دنیا میں یہ خطہ انٹارکٹیکا کے بعد سب سے زیادہ برف سے ڈھکا ہوا ہے۔

وادی گلگت

قدرتی مناظر کا انمول خزانہ وادی گلگت میں مہاتما بدھ کی چٹان، تاج مغل کی سات سو سالہ پرانی یادگار، علی آباد (وادی ہنزہ) نگر، درہ شندور، شندور جھیل، سکردو وغیرہ قابل دید جگہیں ہیں۔ راما جھیل (استور) سے نانگا پربت کے مشرقی حصے کا نہایت شاندار نظارہ کیا جاسکتا ہے۔

وادی چترال

قدرتی حسن اور دلکش نظاروں کی سرزمین وادی چترال بیر موغلشت کا قلعہ (چترال)، کیلاش وادیاں، (بمبوریت، رمبور اور بریر) قابل دید ہیں۔ گرم چشمہ میں گندھک کے بھاپ اگلتے ہوئے گرم پانی کے چشمے جلدی بیماریوں کی شفا کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔

وادی کاغان

فطرتی حسن سے مالا مال وادی کاغان میں خوش منظر جھیلوں، وادیوں، پانی کے چشموں، پہاڑی چوٹیوں اور آبشاروں کے علاوہ شوگران، سری، پائے، شاران، ناران اور جھیل سیف الملوک کی سیر کی جاسکتی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS FOUSEEF AHMAD-03...

وادیٔ سوات

اس وادی میں ہر طرف پھیلے دلفریب اور حسین نظارے ہر دم اپنا رنگ بدلتے نظر آتے ہیں۔ پہاڑوں پر دور دور آباد بستیاں ایک الگ تھلگ دنیا کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ برف پوش چوٹیاں موسمِ گرما کی ہنسی اڑاتی محسوس ہوتی ہیں۔ بل کھاتے ہوئے راستے کے ساتھ ساتھ دریائے سوات شور مچاتا جھاگ اڑاتا ایسا نظر آتا ہے کہ پانی نہیں دودھ کا دریا ہے۔ وادی سوات میں منگورہ، سیدو شریف، سفید محل (مرغزار) بحرین، مالم جبہ، میاندم، مدین، کالام، ماہوڈنڈ کی تازہ اور فرحت بخش ہوا گرمی کے ستائے ہوئے سیاحوں کو تروتازہ کردیتی ہے اور رستے کی ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔

مالم جبہ میں ہر سال سرمائی سیاحت کو فروغ دینے کے لیے سکی انگ (Skiing) کے مقابلے اور میلہ ہوتا ہے۔ جس میں ملکی اور غیر ملکی شائقین اور سیاح شرکت کرتے ہیں۔

گلیات

گرمی کے ستائے ہوئے میدانی علاقوں کے لوگوں کے لیے ملکہ کوہسار مری، نتھیا گلی، ڈونگا گلی، ایوبیہ، خانس پور، گھوڑا گلی، ٹھنڈیانی اور بھوربن جائے پناہ ہے۔ یہ اپنے فطری حسن اور مسحور کن نظاروں کے لیے اپنی مثال آپ ہیں۔

شاہراہ قراقرم

دنیا کا آٹھواں عجوبہ سول انجینئرنگ کا شاہکار یہ شاہراہ حویلیاں سے شروع ہوتی ہے اور ایبٹ آباد، مانسہرہ، تھاکوٹ، بشام، پتن، داسو، چلاس، گلگت اور ہنزہ سے ہوتی ہوئی پاک چین سرحد خنجراب تک جاتی ہے۔ اسے پندرہ سال کے عرصہ میں پاکستان آرمی کے جوانوں اور چینی ماہرین نے انتہائی دشوار گزار اور سنگلاخ چٹانوں کو کاٹ کر تعمیر کیا۔ اس پر سفر کرنا تاریخ کو دہرانا ہے کیونکہ یہ قدیم اور اہم تجارتی شاہراہ ابریشم کی جگہ بنائی گئی ہے۔

شاہراہ قراقرم پر سفر کرتے ہوئے مانسہرہ سے ایک سڑک مشرق کو مڑ جاتی ہے جو بالاکوٹ اور ناران

MDCAT BY FUTURE DOCTORS - YOUSEEF AHMAD 03098815886

سے ہوتی ہوئی وادی کاغان کو جاتی ہے۔

ان خوبصورت مقامات کے علاوہ پاکستان کے شہر بھی اپنے دامن میں سیاحوں کے لیے گونا گوں دلچسپیوں کے سامان لیے ہوئے ہیں۔

سیاحت کا فروغ

پاکستان میں سیاحوں کے اپنے اپنے ذوق کے مطابق سب کچھ موجود ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سیاحت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ملکی و غیر ملکی سیاحوں کو راغب کرنے کے لیے ابلاغِ عامہ سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔اس سلسلے میں خصوصاً ٹیلی ویژن اور بیرونی ممالک میں ہمارے سفارت خانے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ پاکستانی سفارت خانے غیر ملکی سیاحوں کو زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کریں اور ویزہ کی پابندیاں نرم کی جائیں۔سیاحتی مقامات کی طرف جانے والی سڑکوں کی حالت بہتر بنائی جائے۔ ملک کے اندر امن و امان قائم کیا جائے تاکہ سیاحوں میں عدم تحفظ کا احساس ختم ہو اور سیاحت کو فروغ ملے۔

نقشہ خوانی (Map Reading)

زمین کے چھوٹے یا بڑے حصوں کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقائی خدوخال مثلاً دریاؤں، پہاڑوں، میدانوں، سڑکوں، آبادیوں یا فصلوں وغیرہ کو کاغذ پر خاکہ کی شکل میں پیش کرنے کا نام ''نقشہ'' ہے۔اس کے ذریعے تھوڑی سی جگہ پر بہت سی معلومات اکٹھی کی جا سکتی ہیں۔اس کے ذریعے بڑی آسانی سے دور دراز کے علاقوں کے حالات انھیں دیکھے بغیر جانے جا سکتے ہیں۔یہ معلومات ایک ہی نقشہ میں کئی مختلف رنگوں یا طرح طرح کی علامات یا ہر ایک چیز جدا جدا نقشوں پر دکھائی جا سکتی ہے۔جیسے دریاؤں کا ایک علیحدہ نقشہ بھی بن سکتا ہے۔نقشوں میں بہت سی چیزیں اہم ہیں۔جن میں خطوطِ عرض بلد، طول بلد، سمت، نقشہ کا پیمانہ اور رواجی علامات یا نشانات شامل ہیں۔

خطوطِ طول بلد و عرض بلد

کسی بھی مقام کو جاننے کے لیے سب سے پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ اس کا محل وقوع معلوم ہو اور

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498103886

محل وقوع کا صحیح تعین طول بلد اور عرض بلد سے کیا جاتا ہے۔ تمام بڑے اٹلسوں (نقشوں کی کتاب) کے آخر میں دنیا کے اہم شہروں اور مقامات کے طول بلد اور عرض بلد دیے جاتے ہیں تا کہ ان کی مدد سے ان مقامات کو آسانی سے نقشہ پر معلوم کیا جا سکے۔

طول بلد اور عرض بلد فرضی خطوط ہیں۔ تمام طول بلد کا مرکزی طول بلد جس کو صفر درجہ طول بلد مانا گیا ہے۔ لندن کے قریب گرینچ نامی مقام سے گزرتا ہے۔ ہر ایک طول بلد سورج کے سامنے سے گزرنے میں چار منٹ کا وقت لیتا ہے۔ چنانچہ دو طول بلد میں وقت کا فرق یہی چار منٹ ہوں گے۔ چونکہ دنیا کے تمام مقامات کا وقت صفر درجہ طول بلد یعنی گرینچ کے طول بلد کی مناسبت سے مقرر کیا گیا ہے اس لیے جو مقامات گرینچ سے مشرق میں ہونگے ان کا وقت گرینچ کے وقت سے طول بلد کے فرق کے مطابق آگے ہوگا۔ جو مغرب میں ہونگے ان کا وقت طول بلد کے فرق کے مطابق گرینچ کے وقت سے پیچھے ہوگا۔ اب آلات ایجاد ہو چکے ہیں جو بٹن دبانے پر کسی مقام کا محلِ وقوع بتا دیتے ہیں۔

پیمانہ

زمین اور نقشے میں فاصلوں کی لمبائی کے تناسب کو نقشے کا "پیمانہ" کہا جاتا ہے۔ ایک نقشہ 1 سنٹی میٹر = 1 کلومیٹر کے پیمانہ پر بنا ہوا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نقشے پر ایک سینٹی میٹر کا فاصلہ زمین پر ایک کلومیٹر ہے۔ ہر نقشے پر پیمانہ کا اظہار ضرور کیا جاتا ہے تا کہ نقشہ دیکھنے والوں کو پتا چل سکے کہ زمین اور نقشوں پر فاصلے کی کیا نسبت ہے۔ پیمانوں کا اظہار عام طور پر تین طرح سے کیا جاتا ہے۔

1۔ بیان سے (Statement of Scale)

2۔ کسر اعتباری سے (Representative Fraction)

3۔ خطی پیمانہ سے (Graphic Scale)

1۔ بیان سے:- اس طریقے میں نقشے کا پیمانہ اس پر اس طرح دیا جاتا ہے۔

1 سینٹی میٹر = 1 کلومیٹر

یہ پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ نقشے پر ایک سینٹی میٹرز مین پر ایک کلومیٹر کے برابر ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886

2۔ کسرِ اعتباری:- اس طریقے میں نقشے پر دیے ہوئے فاصلے اور زمین کے اصلی فاصلے کی نسبت کو کسرِ عام کے ذریعے سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ جیسے 1:100000 کا مطلب ہے کہ نقشے پر کوئی بھی ایک لمبائی مثلاً ایک سینٹی میٹر زمین پر 100000 گنا ویسی ہی لمبائی یعنی 100000 سینٹی میٹر کو ظاہر کرتی ہے اس طرح

$$\text{کسر اعتباری} = \frac{\text{نقشہ پر فاصلہ}}{\text{زمین پر فاصلہ}} = \frac{1}{100000} \quad \text{یا} \quad 1:100000$$

3۔ خطی پیمانہ: اس طریقہ میں نقشے کے نیچے ایک لکیر بنا کر اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ہر حصہ نقشہ اور زمین پر فاصلوں کی نسبت کو ظاہر کرتا ہے جیسے:-

ایک حصہ کا اصلی فاصلہ ایک سینٹی میٹر کے برابر ہے لیکن اس پر ایک کلومیٹر درج ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر ایک کلومیٹر فاصلہ نقشے پر ایک سینٹی میٹر کے برابر ہے۔

پیمانوں کے لحاظ سے نقشوں کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ علاقائی نقشہ (Regional Map)
2۔ سطحی نقشہ (Topographical Map)
3۔ رقبائی نقشہ (Cadastral Map)

1۔ علاقائی نقشہ: یہ نقشہ چھوٹے پیمانہ پر ہوتا ہے۔ یہ عموماً دنیا، براعظموں اور ملکوں کے متعلق تمام معلومات پیش کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں تفصیلات کی کمی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اکثر اٹلسوں میں یہی نقشے بنائے گئے ہیں اور تعلیمی مقاصد کے لیے بہت عمدہ تصور کیے جاتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815883

2۔ سطحی نقشے: چونکہ اس نقشے کا پیمانہ علاقائی نقشے سے کافی بڑا ہوتا ہے لہٰذا اس میں کسی علاقہ کی اونچائی، نیچائی کے علاوہ دریا، جنگل، گاؤں، شہر، سڑکیں، ریلوے لائن اور نہریں بھی کافی تفصیل سے دکھائی جاتی ہیں۔

3۔ رقبائی نقشہ: یہ سطحی نقشے سے بھی بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے اور اس میں ہر چیز بہت زیادہ تفصیل سے دی جاتی ہے۔ مثلاً گاؤں اور کھیتوں کی حدود بھی دکھائی جاتی ہے۔ رقبائی نقشے کان کنی یا مالیہ وغیرہ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

پیمانوں کے مطابق تقسیم کے علاوہ نقشوں کی تقسیم ضرورت یا مقاصد کے لحاظ سے بھی کی جاتی ہے۔ ان میں طبعی نقشے، ثقافتی نقشے اور معاشی نقشے شامل ہیں۔

1۔ طبعی نقشے: یہ نقشے زمین کی اندرونی و بیرونی کیفیت کے علاوہ موسم اور نباتات کے متعلق معلومات پیش کرنے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں زمینی کیفیت، ارضیاتی، موسمیاتی اور نباتاتی نقشے شامل ہیں۔

2۔ ثقافتی نقشے: یہ وہ نقشے ہیں جو انسانوں سے متعلق معلومات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً مذاہب کی تقسیم، قبائل کی تقسیم، زبانوں کی تقسیم، آبادی کی تقسیم، ملکوں کی تقسیم یا تاریخی واقعات مثلاً کسی بادشاہ کی سلطنت کی حدود دکھانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

3۔ معاشی نقشے: یہ نقشے انسان کے ذریعہ معاش سے متعلق معلومات پیش کرتے ہیں۔ ان میں پیداواری، تجارتی اور ذرائع آمدورفت کے نقشے شامل ہیں۔

نقشوں کی رواجی علامات یا نشانات (Conventional Signs)

نقشہ پڑھنے، سمجھنے یا بنانے کے لیے مختلف قسم کے نشانات یا علامات کو سیکھنا ضروری ہے۔ ان سے نقشے میں مختلف قدرتی اور معاشرتی خدوخال دکھائے جاتے ہیں۔ ان کو رواجی علامات یا نشانات کہا جاتا ہے۔ یہ اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی اصل چیز یا تصور ذہن میں ابھر آتا ہے اور نقشہ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ عموماً نقشے کے نیچے درج ہوتے ہیں اور عموماً رنگوں، نام کے ابتدائی حروف لکھ کر، چیز کی شکل بنا کر، لکیر کھینچ کر، نقطے لگا کر مستطیل یا مربع بنا کر ظاہر کیے جاتے ہیں۔ رواجی علامات یا نشانات دو قسم کے خدوخال کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک قدرتی اور دوسرے انسانی۔

INDUSTRY OF THE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-03499815886

مشق

1. خالی جگہوں کو موزوں الفاظ سے پُر کریں۔

i. افغانستان کے علاقے واخان کی پٹی پاکستان کو __________ سے جُدا کرتی ہے۔

ii. دنیائے اسلام مغرب میں مراکش سے لے کر مشرق میں __________ تک پھیلی ہوئی ہے۔

iii. چین کے ساتھ __________ کے راستے تجارت ہوتی ہے۔

iv. دریائے سندھ اور جہلم کے درمیان ریتلا علاقہ __________ کہلاتا ہے۔

v. جنگِ عظیم دوم کے بعد __________ کو باقاعدہ صنعت کا درجہ دیا گیا۔

vi. پیانوں کا اظہار عام طور پر __________ طرح سے کیا جاتا ہے۔

2. مندرجہ ذیل میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

i. پاکستان کے جنوب میں بحیرہ عرب واقع ہے۔

ii. پاکستان دنیائے اسلام کے آخری کنارے پر واقع ہے۔

iii. سبی اور جیکب آباد کا شمار دنیا کے گرم ترین مقامات میں ہوتا ہے۔

iv. دُنیا کی سب سے بلند ترین چوٹی K-2 ہے۔

v. شاہراہِ قراقرم کو دُنیا کا ساتواں عجوبہ کہا جاتا ہے۔

3. بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کریں۔

i. ننکانہ صاحب کس مذہب کے پیروکاروں کا مقدس مقام ہے؟

(ہندو، سکھ، بدھ، جین مت)

ii. کون سا صوبہ پاکستان کے پھلوں کا 45% حصہ فراہم کرتا ہے؟

(خیبر پختونخوا، پنجاب، سندھ، بلوچستان)

iii. ہر ایک طول بلد سورج کے سامنے سے گزرنے میں وقت لیتا ہے؟

(2 منٹ، 4 منٹ، 6 منٹ، 10 منٹ)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUISEEF AHMAD 03499815886

iv. کون سے نقشے انسانوں سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں؟

(علاقائی، طبعی، ثقافتی، معاشی)

v. پاکستان کے جنوب میں واقع ہے؟

(بحیرہ عرب، بحرِ ہند، ایران، بھارت)

4. درج ذیل کے مختصر جوابات لکھیں۔

i. وسط ایشیا میں واقع مسلم ریاستوں کے نام لکھیں۔

ii. مغربی پہاڑی سلسلے میں شامل پہاڑوں کے نام ترتیب سے لکھیں۔

iii. نقشہ پر سمت کا نشان نہ دیا گیا ہو تو سمتیں کیسے معلوم کی جا سکتی ہیں؟

iv. پیمانے کے لحاظ سے نقشے کی اقسام کون کون سی ہیں؟

v. آب و ہوا کے لحاظ سے پاکستان کے خطوں کے نام تحریر کریں۔

5. کالم "الف" میں دیے گئے الفاظ کا کالم "ب" میں دیے گئے الفاظ سے جوڑ ملائیں۔

کالم الف	کالم ب
مرغزار	شاہراہِ قراقرم
مہاتما بدھ کی چٹان	وادی چترال
قلعہ بیر موغلشت	وادی گلگت
دُنیا کا آٹھواں عجوبہ	وادی کاغان
جھیل سیف الملوک	وادی سوات

6. "بین الاقوامی سیاست کے لحاظ سے پاکستان ہمیشہ خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے" کیوں؟ تفصیل سے روشنی ڈالیے؟

7. کسی علاقے کے طبعی خدوخال اور آب و ہوا وہاں کی معاشی اور معاشرتی زندگی پر کس طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں؟ تفصیلی جائزہ پیش کریں۔

8. سرزمین پاکستان کی آب و ہوا ایک جیسی کیوں نہیں؟ آب و ہوا کے لحاظ سے پاکستان کے کسی دو خطوں کا تقابلی جائزہ لیجیے۔

9. "پاکستان سیاحوں کی جنت ہے" اجمالی جائزہ پیش کریں۔

10. نقشہ پر پیمانہ، عرض بلد و طول بلد اور رواجی علامات کا ہونا کیوں ضروری ہے؟ وضاحت کریں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

باب چہارم

پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے اقدامات

پاکستان "دو قومی نظریہ" اور "نظریہ پاکستان" کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا۔ نظریہ پاکستان کی بنیاد اسلامی نظامِ حیات پر رکھی گئی جس سے مراد ایک ایسا سماجی، سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جس کے قوانین اور قواعد و ضوابط اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وضع کیے گئے ہوں اور ان کا ماخذ قرآن و سنت کے بنیادی اصول ہوں۔ پاکستان کے بانی راہنماؤں کے پیشِ نظر بنیادی مقصد صرف زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ اس قطعہ اراضی پر ایک اسلامی معاشرے کا قیام تھا۔ جس میں بنیادی اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایک جمہوری طرزِ حکومت ہو، جہاں ہر ایک کو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق مکمل آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہو۔

پاکستان کے قیام کے بعد بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے اور یوں پاکستان کا جو تصور ان کے ذہن میں تھا وہ ٹھوس شکل میں حقیقت کا روپ نہ دھار سکا۔ قائداعظم جس پاکستان کا تصور ذہن میں رکھتے تھے وہ ایک ایسے اسلامی جمہوری ملک کا تصور تھا جس کے قوانین اور آئین مساوات، انصاف اور رواداری کے اصولوں پر مبنی ہوں مگر ان کا ماخذ اسلام کے سنہری اصول ہوں۔

قراردادِ مقاصد

قیامِ پاکستان کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی قائم کی گئی جس کے ذمے نیا آئین مرتب کرنا تھا۔ وقتی طور پر قانونِ آزادیِ ہند کے مطابق انڈیا ایکٹ 1935ء میں ضرورت کے مطابق ترامیم کر کے پاکستان کا عبوری آئین نافذ کیا گیا اور نئے آئین کے لیے کوششیں شروع کی گئیں۔ دستور ساز اسمبلی کے رُکن اور ممتاز عالمِ دین مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے دستور سازی کی طرف پہلے قدم کے طور پر ایک قرارداد کا مسودہ مرتب کر کے دیگر علماء سے بھی ان کی رضامندی حاصل کی۔ جسے 12 مارچ 1949ء کو لیاقت علی خان مرحوم نے دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا۔ اسے پاکستان کی آئینی تاریخ میں "قراردادِ مقاصد" کے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEEF AHMAD 03499815886

نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس قرارداد کے ذریعے دستور ساز اسمبلی نے پاکستانی عوام کے نمائندہ کی حیثیت سے یہ اقرار کیا کہ پاکستان کا آئندہ دستور قرآن وسنت کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوگا۔ پاکستان کے عوام اور ان کے نمائندے اپنے حکومتی اختیارات اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کریں گے۔

قراردادِ مقاصد کے اہم نکات

قراردادِ مقاصد بظاہر ایک رسمی آئینی اعلان نظر آتی ہے مگر یہ قرارداد پاکستان میں دستور سازی کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر کے اس ضمن میں واضح پیش رفت کا باعث بنی۔ قرارداد کے خاص خاص نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ حاکمیت اعلیٰ کا تصور

پوری کائنات میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ حاکمیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پاکستان کے باشندوں کے پاس حاکمیت کا اختیار ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ اس بات کے پابند ہیں کہ قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے ان اختیارات کو بروئے کار لائیں۔

2۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کی پیروی

ریاست اپنے اقتدار اور اختیارات کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے کرے گی جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

3۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا فروغ

ریاست مسلمانوں کو اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق بسر کر سکیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS: YOUSEEF AHMAD 03499815886

4۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ نیز وہ اپنے تمدن کی نشوونما اور جائز مفادات کے تحفظ میں بھی آزاد ہونگے۔

5۔ بنیادی حقوق کا تحفظ

شہریوں کو تمام بنیادی حقوق مثلاً آزادی، مساوات، ملکیت، اظہار رائے، عقیدہ، عبادت اور انجمن سازی کے حقوق کا تحفظ حاصل ہوگا اور اُن کو ان حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

6۔ وفاقی طرزِ حکومت اور صوبائی خودمختاری

پاکستان میں شامل ادارے ایک وفاق کی تشکیل کریں گے جس میں وحدتوں (صوبوں) کو خودمختاری حاصل ہوگی۔

7 عدلیہ کی آزادی

دستور میں عدلیہ کی آزادی کو مکمل تحفظ حاصل ہوگا یعنی فیصلے کرنے میں اس پر کسی قسم کا حکومتی یا غیر حکومتی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔

اس قرارداد کی منظوری کے بعد ملکی آئین بنانے کے لیے بنیادی اصولوں کی کمیٹی بھی اسی دن تشکیل دی گئی اور اس کمیٹی کو مشورہ دینے کے لیے تعلیماتِ اسلامی بورڈ کی بھی تشکیل کی گئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی کو اس بورڈ کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔

قراردادِ مقاصد کی اہمیت

قراردادِ مقاصد پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس قرارداد نے ملک میں دستور کی شکل اور کردار کے حوالے سے جاری اختلافی بحث کو ختم کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ پاکستان کا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498133886

دستوراور پاکستانی معاشرے کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہوگی۔ یہ قرارداد قومی اتفاق رائے کا مظہر تھی کیونکہ اس کو تمام مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کی تجاویز اور سفارشات کی بنیاد پر مرتب کیا گیا تھا۔

قراردادِ مقاصد کو بعد میں بننے والے پاکستان کے تمام دساتیر کے آغاز میں افتتاحیہ (Preamble) کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ افتتاحیہ آئین کا قابلِ نفاذ حصہ نہیں ہوتا تاہم 1985ء میں جنرل ضیاء الحق نے آٹھویں ترمیم کے ذریعے اس کو آئین کا باضابطہ حصہ بنادیا۔

1956ء کے آئین کی اسلامی دفعات

قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد 1956ء تک پاکستان کا آئین نہ بن سکا۔ بالآخر جب چوھدری محمد علی پاکستان کے وزیرِ اعظم بنے تو پاکستان کا پہلا آئین 23 مارچ 1956 کو دستور ساز اسمبلی کی منظوری کے بعد نافذ کیا گیا۔ اس دستور میں شامل اسلامی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ

1956ء کے آئین میں قراردادِ مقاصد کو افتتاحیہ (Preamble) کے طور پر شامل کیا گیا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ پوری کائنات کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اس میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں۔ پاکستان کے عوام اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حاکمیت کے اختیارات کا استعمال ایک مقدس امانت کے طور پر کریں گے۔

2۔ مملکت کا نام

1956ء کے آئین کے تحت مملکت کے لیے "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا نام اختیار کیا گیا جو اس کی اسلامی حیثیت اور شناخت کو ظاہر کرتا ہے۔

3۔ سربراہ مملکت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط

دستور میں سربراہِ مملکت کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ تاہم وزیرِ اعظم کے لیے یہ شرط

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-03498315886

نہیں رکھی گئی۔

4۔ بنیادی اسلامی اصولوں کی پیروی

دستور کے افتتاحیہ میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ قائداعظم کے ارشادات کے مطابق پاکستان ایک جمہوری ملک ہوگا جس میں اسلام کے معاشرتی انصاف، آزادی اور مساوات کے اصولوں کے مطابق نظام قائم کیا جائے گا۔ افتتاحیہ میں مزید کہا گیا کہ پاکستان کے عوام کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق بسر کر سکیں۔

5۔ اسلامی اقدار کا تحفظ

آئین میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور برائیوں کے خاتمے کی ضمانت دی گئی اور اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ ملک سے ناخواندگی ختم کی جائے گی، مزدوروں کے کام کرنے کے حالات بہتر بنائے جائیں گے۔ سود اور غیر اخلاقی عادات و اطوار کا خاتمہ کیا جائے گا۔ تمام شہریوں کو روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور طبی سہولتیں فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔

6۔ اسلامی ممالک کے ساتھ خصوصی تعلقات

پالیسی سازی کے رہنما اصولوں میں واضح کیا گیا تھا کہ دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ خصوصی برادرانہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

1960ء میں مرکزی اسلامی تحقیقاتی ادارہ قائم کیا گیا۔ جسے 1965ء میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا نام دیا گیا۔ اس ادارے کا کام اسلام کی روشنی میں جدید دور کے تقاضوں اور مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لیے تحقیق کرنا اور حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرنا تھا۔ ادارے کو اختیار تھا کہ وہ اس تحقیقی کام میں ملکی علماء کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کے علماء اور تحقیقی اداروں سے بھی استفادہ کرے۔ اس ادارے نے حکومت کی طرف سے پیش کردہ بہت سے امور و مسائل کا حل تجویز کیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03...

1962ء کے دستور کی اسلامی دفعات

1962ء میں صدر ایوب خان نے ملک میں ایک نیا دستور نافذ کیا۔ اس دستور میں 1956ء کے دستور میں شامل تمام اسلامی دفعات معمولی ردوبدل کے ساتھ برقرار رکھی گئیں۔ حاکمیت اعلیٰ کے بارے میں قراردادِ مقاصد میں شامل تصور کو 1962ء کے آئین میں برقرار رکھا گیا اور ملک کا سرکاری نام اگرچہ شروع میں صرف ''جمہوریہ پاکستان'' تجویز کیا گیا مگر بعد میں ایک ترمیم کے ذریعے اسے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسی طرح 1956ء کے آئین میں شامل صدرِ مملکت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط بھی برقرار رکھی گئی۔

1962ء کے دستور میں بنیادی اسلامی اصولوں، جمہوریت، انصاف، آزادی اور مساوات کی پاسداری، قرآن وسنت کے منافی قوانین کا نہ بنانا، اور موجودہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے متعلق شقیں برقرار رکھی گئیں۔ 1956ء کے آئین کی طرح 1962ء کے آئین میں بھی یہ کہا گیا تھا کہ اسلامی اداروں اور اقدار کا تحفظ کیا جائے گا اور حکومت قرآن وسنت کی تعلیمات کے فروغ اور اشاعت کے لیے اقدامات کرے گی۔ حکومت زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کی تنظیم کرے گی۔ جہالت کا خاتمہ کیا جائے گا۔ ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہوگی۔ مزدوروں کے حالاتِ کار بہتر بنائے جائیں گے اور ہر معذور اور محتاج کو زندگی کی بنیادی ضروریات فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ غیر اخلاقی عادات واطوار کے خاتمے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔ ملک کی خارجہ پالیسی کے اصولوں میں یہ بات شامل تھی کہ اسلامی ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات بہتر بنانے کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی۔

1962ء کے آئین میں شامل مندرجہ بالا اسلامی دفعات کے علاوہ، کسی قانون کے اسلامی اصولوں کے مطابق یا منافی قرار دینے کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے ایک ادارہ اسلامی مشاورتی کونسل کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس ادارے میں ماہرینِ قانون کے علاوہ جید علماء کرام کو بھی شامل کیا گیا اور اس طرح مروجہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کا کام شروع ہوا۔ دستور میں اسلامی تحقیقات کے ادارے کا مقام بھی واضح کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ اس ادارے کے فرائض میں اسلام کے بارے میں تحقیق اور تعلیم وتدریس کا اہتمام کرنا اور ملک میں ایک حقیقی مسلم معاشرے کے قیام میں حکومت کی مدد کرنا شامل ہوگا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03095915886

1973ء کے آئین میں شامل اسلامی دفعات

1973ء میں ملک کی نئی جمہوری حکومت اور اسمبلی نے پاکستان کو ایک نیا وفاقی پارلیمانی طرز کا آئین دیا۔ یہ آئین صحیح معنوں میں ایک اسلامی جمہوری ریاست کا آئین تھا۔ اس آئین میں نہ صرف 1956ء اور 1962ء کے آئین کی بنیادی اسلامی دفعات کو برقرار رکھا گیا تھا بلکہ چند نئی اسلامی دفعات کا اضافہ بھی کیا گیا تھا۔

1973ء کے آئین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اسلام کو پاکستان کا ''سرکاری مذہب'' قرار دیا گیا۔ دونوں سابقہ دساتیر کی طرح 1973ء کے آئین میں بھی ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ اس آئین میں صدر اور وزیراعظم دونوں کا ''مسلمان'' ہونا لازمی قرار دیا گیا۔

1973 کے آئین میں پہلی دفعہ لفظ ''مسلمان'' کی واضح طور پر تعریف کی گئی۔ اس تعریف کی رو سے حضور نبی کریم ﷺ کے خاتم النبین ہونے پر ایمان نہ رکھنے والے ازخود دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتے ہیں مگر اس امر کی مزید وضاحت کرنے کے لیے 1974ء میں ایک ترمیم کے ذریعے دستور میں عقیدۂ ختم نبوت کو باضابطہ طور پر مسلمان ہونے کی شرط قرار دیا گیا۔

اس کے علاوہ آئین میں اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنے کا بھی ذکر کیا گیا جو اسلامی قانون اور شریعت کے ماہرین پر مشتمل ہوگا۔ اس کونسل کا کام قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے میں قانون ساز اداروں کی رہنمائی کرنا اور حکومت کو قوانین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہے۔

ان چند نئی دفعات کے علاوہ 1956ء اور 1962ء کے آئین کی طرح اس آئین میں بھی قراردادِ مقاصد کو افتتاحیہ (Preamble) کے طور پر شامل کیا گیا اور اس میں موجود حاکمیتِ اعلیٰ کے تصور، اسلامی اقدار کے تحفظ اور اسلامی معاشرے کے قیام کے متعلق تمام نکات کو برقرار رکھا گیا۔ خارجہ پالیسی کے حوالے سے بھی اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ پاکستان اسلامی اخوت کے جذبے کے تحت تمام اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات مضبوط بنانے کی کوشش کرے گا۔

1977ء کے بعد نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت

1977ء کے بعد نفاذِ اسلام کے لیے جو اقدامات کیے گئے اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ قانونی اور عدالتی نظام میں اصلاحات

i۔ ملک میں اسلامی تعزیرات کا نفاذ کیا گیا اور حدود آرڈیننس کے ذریعے زنا، چوری، تہمت لگانا اور شراب نوشی کے لیے اسلامی سزائیں نافذ کی گئیں۔

ii۔ اسلامی تعزیرات کے عملی نفاذ کے لیے وفاقی سطح پر وفاقی شرعی عدالت اور نچلی سطح پر شرعی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ان عدالتوں میں اعلیٰ شہرت رکھنے والے ججوں کا تقرر کیا گیا جو اسلامی قوانین سے بخوبی واقف اور ماہر تھے۔

iii۔ عدالتوں کے طریقہء کار سے غیر اسلامی روایات کا خاتمہ کیا گیا۔

iv۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کو ممکن بنانے کے لیے افراد کی تربیت کی ضرورت کے تحت اسلام آباد میں اسلامی یونیورسٹی اور شریعت فیکلٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

2۔ اقتصادی اصلاحات

i۔ 20 جون 1980ء کو زکوٰۃ آرڈیننس کا نفاذ کیا گیا۔ اس قانون کے تحت زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور تقسیم کے لیے انتظامات کیے گئے۔ مختلف سطحوں پر زکوٰۃ کمیٹیاں قائم کی گئیں۔

ii۔ ملک میں بلاسود بینکاری رائج کرنے کے لیے ایک کمیشن کا تقرر کیا گیا اور ملکی ماہرین کے ساتھ غیر ملکی ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ بینکوں میں سود سے پاک بینکاری نظام جنوری 1981ء سے شروع کیا گیا اور نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر کھاتے (اکاؤنٹ) کھولنے کے انتظامات کیے گئے۔

3۔ تعلیمی اصلاحات

i۔ اپریل 1979ء میں ایک نئی تعلیمی پالیسی وضع کی گئی جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TO ISEEFAHMAD-03499815886

اور نظریہ پاکستان پر رکھی گئی۔

ii۔ تعلیمی اداروں میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کو لازمی مضمون کی حیثیت دی گئی۔

iii۔ خواتین کے لیے علیحدہ یونیورسٹی، اسلامی یونیورسٹی اور شریعت فیکلٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

iv۔ دینی مدارس کی اسناد کو بی۔اے اور ایم۔اے کی ڈگریوں کے مساوی قرار دیا گیا۔

v۔ ابتدائی سطح پر تعلیم کی اسلامی تشکیل کے لیے مسجد مکتب سکیم کا اجراء کیا گیا۔

vi۔ لاء کالجوں میں اسلامی فقہ کو لازمی مضمون کی حیثیت دی گئی۔

vii۔ دینی مدارس کو سرکاری سطح پر مناسب اور معقول امداد دی گئی۔ جس سے ان مدرسوں کے اساتذہ اور طلبہ کا وقار بڑھا۔ دینی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کو فوج، عدلیہ، محکمہ اوقاف اور دیگر شعبوں میں ملازمت کے مواقع فراہم کیے گئے۔

4۔ معاشرتی اصلاحات

i۔ علماء کو حکومتی سرگرمیوں میں شریک کیا گیا اور ان کو مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں میں نمائندگی دی گئی۔ دینی امور میں مشورے حاصل کرنے کی غرض سے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء پر مشتمل صدارتی مشاورتی بورڈ بھی قائم کیا گیا۔

ii۔ سرکاری اداروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔

iii۔ رمضان المبارک کے دوران پبلک مقامات پر کھانے پینے کی ممانعت کی غرض سے احترامِ رمضان آرڈیننس جاری کیا گیا۔

iv۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اذان نشر کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

v۔ خلفائے راشدین اور اہلِ بیت کی شان میں گستاخی کو قانوناً جرم قرار دیا گیا۔

vi۔ رشوت، بدعنوانی اور نا اہلی کا خاتمہ کرنے کے لیے وفاقی سطح پر محتسبِ اعلیٰ کا تقرر کیا گیا۔

vii۔ ہر قسم کے غیر اسلامی اور نظریہ پاکستان کے مخالف لٹریچر کی اشاعت، تقسیم اور فروخت پر پابندی لگائی گئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03498175886

5۔ ذرائع ابلاغ کی اصلاح

i۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو اسلامی اور قومی تشخص ابھارنے کے لیے استعمال کیا گیا جبکہ بعض پروگراموں کو غیر اسلامی قرار دے کر ان پر پابندی عائد کی گئی۔

ii۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے قرآن پاک اور عربی زبان کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔

iii۔ اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگراموں میں اضافہ کیا گیا جبکہ حج سمیت دیگر اسلامی تقریبات کو ٹیلی ویژن پر دکھانے کا اہتمام کیا گیا۔

1988ء میں ملک میں جمہوری نظام کی بحالی کے بعد نفاذِ اسلام کی طرف پیش رفت جاری رہی۔ مئی 1991ء میں پارلیمنٹ نے شریعت بل کی منظوری دی جس کے تحت ملک کے عدالتی نظام کو بتدریج اسلامی اصولوں کے دائرے میں لایا جائے گا۔

ان تمام کوششوں کا مقصد پاکستان میں ایک فلاحی، جمہوری اور اسلامی معاشرے کا قیام تھا۔ اس مقصد کا حصول ایک مسلسل اور بتدریج ارتقائی عمل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں شہریوں کے حقوق و فرائض

پاکستان کے آئین میں اسلامی نظامِ حیات کے عین مطابق شہریوں کے حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا ہے۔

1973ء کے آئین میں بنیادی شہری حقوق

1973ء کے آئین میں پاکستان کے تمام شہریوں کو یکساں بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ بنیادی حقوق سے مراد انسان کے وہ پیدائشی حقوق ہیں جو ہر مہذب معاشرے میں افراد کو حاصل ہوتے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ بھی ایک مہذب اسلامی معاشرہ ہے۔ لہٰذا پاکستان کے آئین میں شہریوں کو تمام بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ آئین میں ان حقوق کو شامل کرنے کا مقصد ان کو قانونی شکل دینا اور ان کی حفاظت کرنا ہے۔ پاکستان کے آئین میں جن بنیادی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں سے چند اہم حقوق

MIAN BY FUTURE DOCTOR TOUQEER AHMAD 03499815886

مندرجہ ذیل ہیں۔

i۔ کسی شخص کو اُس کے جینے کے حق اور آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
ii۔ غلامی اور جبری مشقت کو آئین میں ممنوع قرار دیا گیا۔
iii۔ انسانی وقار اور گھر کی چار دیواری کے احترام کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔
iv۔ تمام پاکستانیوں کو ملک کے کسی بھی حصے میں آمدورفت اور رہائش کا حق حاصل ہے۔
v۔ پاکستان کے شہریوں کو تنظیم سازی، یونین سازی اور پرامن اجتماع کا حق حاصل ہے۔
vi۔ ہر شہری کو جائز روزگار کے حصول، تجارت اور کاروبار کا حق حاصل ہے۔
vii۔ سرکاری ملازمین کے علاوہ تمام پاکستانیوں کو سیاست میں حصہ لینے اور کسی بھی سیاسی پارٹی کی رُکنیت حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔
viii۔ ہر شہری کو اظہار رائے کا حق دیا گیا ہے اور ذرائع ابلاغ، خصوصاً پریس کو مکمل آزادی حاصل ہوگی۔
ix۔ ہر شہری کو کوئی بھی مذہب اختیار کرنے، اُس پر عمل کرنے اور اُس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہے۔
x۔ کسی شہری کو بغیر کسی جواز کے گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ گرفتاری کے وقت اُس کو اُس کے جرم کی نوعیت سے آگاہ کیا جائے گا اور 24 گھنٹے کے اندر کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔
xi۔ ہر پاکستانی کو پاکستان کے کسی بھی علاقے میں زمین جائیداد بنانے، رکھنے اور خرید و فروخت کا حق حاصل ہے اور کسی کو قانونی تقاضے پورے کیے بغیر اُس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
xii۔ مطلوبہ اہلیت کے حامل کسی پاکستانی کے ساتھ نسل، مذہب، قومیت، جنس، رہائش یا جائے پیدائش کی بنیاد پر کسی سرکاری ملازمت کے حصول میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔
xiii۔ ہر طبقے کے شہریوں کو اپنی زبان، رسم الخط و ثقافت کو محفوظ کرنے، ترقی دینے اور قانون کے مطابق ایسے ادارے قائم کرنے کا حق حاصل ہے جو اس مقصد کے حصول میں مدد دے سکیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498139886

شہریوں کے فرائض

پاکستان کے شہریوں کو جہاں مساوی حقوق حاصل ہیں۔ وہاں ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں کیونکہ حقوق اور فرائض کا آپس میں گہرا تعلق ہے، اور ان میں توازن قائم کیے بغیر کوئی معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا۔ پاکستانی شہری کے فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ ملک سے وفاداری

ایک اچھے پاکستانی شہری پر لازم ہے کہ وہ ریاستِ پاکستان کا وفادار رہے اور کسی ایسی سرگرمی میں ملوث نہ ہو جو ملک کے ساتھ غداری کے زمرے میں آتی ہو۔

2۔ قانون کا احترام

ہر شہری کا اخلاقی اور قانونی فرض ہے کہ وہ تمام ملکی اور ریاستی قوانین کا احترام کرے اور کسی بھی صورت میں قانون کی خلاف ورزی نہ کرے۔

3۔ ٹیکسوں کی ادائیگی

شہریوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکومت کی طرف سے عائد کردہ تمام ٹیکس بروقت ادا کریں کیونکہ ان کی ادائیگی کے بغیر حکومتی انتظامات چلانا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ترقیاتی کام کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

4۔ ووٹ کے حق کا صحیح استعمال

ووٹ کے حق کا صحیح استعمال ہر اچھے شہری کی بنیادی ذمہ داریوں میں اہم ترین فریضہ ہے۔ شہریوں کو چاہیے کہ وہ دیانت دار اور اچھے کردار کے حامل اُمیدواروں کو ووٹ دیں تا کہ ملک کا سیاسی نظام مضبوط ہو اور بدعنوانی کا خاتمہ کیا جا سکے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

5۔ سماجی خدمت

ایک جمہوری ملک کا شہری اخلاقی طور پر اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ سماجی خدمت اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لے۔

6۔ قومی مفاد کی بالادستی

پاکستانی شہری ہونے کے ناطے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ملکی اور قومی مفاد کو ذاتی مفادات پر ترجیح دیں اور ایسی تمام سرگرمیوں سے دور رہیں جو قومی مفادات کے منافی ہوں۔

7۔ تعلیم کا حصول

تعلیم کا حاصل کرنا جہاں حقوق کا حصہ ہے وہاں اس کا شمار فرائض میں بھی ہوتا ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ خود بھی تعلیم حاصل کرے اور اپنے بچوں کو بھی تعلیم دلوائے کیونکہ تعلیم کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔

8۔ محنت

ہر شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور ملک کی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔

9۔ انسانی حقوق

انسانی حقوق کا تصور سب سے پہلے ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سال پہلے دے دیا تھا۔ یہ باقاعدہ انسانی حقوق کا چارٹر تھا۔ جس نے انسانی بنیادی حقوق کی بنیاد رکھی۔ جدید دور میں بھی انسانی حقوق کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔ ہر ملک جمہوریت کی طرف رواں دواں ہوا اور دساتیر کو اپنانا شروع کر دیا۔ فرانس کی تقلید کرتے ہوئے ہر ملک کے دستور میں بنیادی حقوق کا ایک باب شامل کیا جانے لگا۔ اسی طرح جب پاکستان نے 1956ء میں پہلا دستور لاگو کیا تو بنیادی حقوق کا ایک باب اس کا ضروری حصہ بنا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03098158886

اس دستور کی منسوخی کے بعد جب 1962ء میں دوسرا دستور بنایا گیا تو بنیادی حقوق کا باب اس میں شامل نہ تھا۔ عوام کے مطالبے کے پیش نظر دستور میں دوسری ترمیم کے ذریعے اس باب کو شامل کیا گیا۔ 1973ء کا دستور قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کیا۔ اس میں بھی بنیادی حقوق کا باب شامل کیا گیا ہے۔ لہٰذا انسانی بنیادی حقوق عموماً ملکی دساتیر کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع اور انسانی حقوق

حضور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا تھا اُس میں تمام بنیادی انسانی حقوق کا ایک جامع خلاصہ موجود ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق و فرائض کا سب سے بہترین اور جامع دستور ہے۔ اس خطبے میں شامل انسانی حقوق اور فرائض کے حوالے سے چند اہم نکات ذیل میں درج ہیں۔

1۔ انسانی مساوات اور احترامِ انسانیت

اس عظیم الشان خطبے میں حضور اکرم ﷺ نے دُنیا کے تمام انسانوں کو بلا تفریق رنگ و نسل برابر قرار دیا۔

2۔ جان و مال اور جائیداد کا تحفظ

خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے ایک انسان کی جان و مال، عزت اور جائیداد کو دوسرے انسان کے لیے حرام قرار دیا ہے۔

3۔ خواتین کے حقوق

خطبہ حجۃ الوداع میں خواتین کے حقوق کا ذکر واضح الفاظ میں ملتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کا اپنی عورتوں اور عورتوں کا مردوں پر حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کو چاہیے کہ اپنی عورتوں کے حقوق کا خیال رکھیں اور اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499815886

4۔ وراثت میں حصہ

حضور نبی کریم ﷺ نے اس خطبے میں وراثت میں حصہ حاصل کرنے کے حق کا بھی ذکر فرمایا ہے اور فرمایا کہ کسی کو وراثت میں اُس کے جائز حق سے محروم نہ کیا جائے۔

5۔ امن اور رواداری

حضور ﷺ نے انتقام لینے کی بجائے تحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے معاف کرنے کا درس دیا اور آپ ﷺ نے خود اس کی مثال قائم کرتے ہوئے ایامِ جاہلیت میں قتل ہونے والے اپنے قریبی رشتہ دار عامر بن ربیعہؓ ابنِ حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کر دیا۔

6۔ غلاموں اور کمزوروں کے ساتھ حسنِ سلوک

غلام اُس وقت معاشرے کا سب سے کمزور طبقہ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کا درس دیا اور فرمایا کہ اُن کو وہی خوراک دو جو تم خود کھاتے ہو اور اُن کو وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ حضور ﷺ نے غلاموں کے ساتھ سختی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے علاوہ بھی ایسے حوالہ جات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نہ صرف غلاموں سے نرمی اور حسنِ سلوک کی تلقین فرماتے تھے بلکہ کئی مواقع پر حضور ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔

7۔ حکمران اور رعایا کے حقوق

اسی خطبے میں حضور ﷺ نے حکمرانوں اور رعایا کے حقوق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ رعایا کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ جب تک حکمران اسلامی تعلیمات اور احکامات کے منافی کوئی حکم نہ دے تو اُس کی حکم عدولی نہ کی جائے۔ وہاں حکمران کو بھی اس بات کا پابند قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی رعایا کا خیال رکھے۔

حجۃ الوداع میں بیان کیے گئے حقوق کے علاوہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے دیگر کئی مواقعوں پر اُن تمام حقوق کا ذکر کسی نہ کسی حوالے سے ضرور کیا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS BY SELF AHMAD-0340-8815886

ہے جواقوامِ متحدہ کے عالمگیر انسانی حقوق کے اعلان میں شامل ہیں۔

اقوامِ متحدہ کا عالمگیر انسانی حقوق کا اعلامیہ

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو عالمی انسانی حقوق کا اعلامیہ منظور کیا اور تمام رکن ممالک سے کہا گیا کہ وہ اس اعلامیے کو مشتہر کریں اور سکولوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں پڑھائیں تاکہ لوگوں میں بنیادی انسانی حقوق کے بارے میں شعور پیدا کیا جاسکے۔

اقوامِ متحدہ کے اس اعلامیے کی رو سے دُنیا کے تمام انسانوں کو برابری کی بنیاد پر حاصل حقوق میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ تمام انسان پیدائشی طور پر آزاد ہیں اور یکساں عزت اور حقوق کے مالک ہیں۔

2۔ دُنیا کے تمام انسانوں کو بلاتفریقِ رنگ ونسل، مذہب وقومیت، یکساں بنیادی حقوق حاصل ہیں۔

3۔ ہرانسان کو اپنی جان ومال اور آزادی کے دفاع کا حق حاصل ہے۔

4۔ غلامی اور جبری مشقت کو ممنوع قرار دیا گیا۔

5۔ کسی انسان کو تشدد، ظالمانہ سزا یا غیر انسانی سلوک کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

6 تمام انسان قانون کی نظر میں برابر ہیں اور سب کو یکساں قانونی تحفظ حاصل ہے۔

7۔ کسی کو بلاجواز نہ تو گرفتار کیا جائے گا نہ جلاوطن کیا جائے گا۔

8۔ جرم سرزد ہونے کی صورت میں ہر شخص اس وقت تک بے گناہ تصور ہوگا جب تک اس کا جرم ثابت نہیں ہوجاتا اور عدالتی کارروائی کے دوران ہر شخص کو اپنا دفاع کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہوگا۔

9۔ ہرانسان کو کسی وجہ کی بنا پر اپنا ملک چھوڑنے اور ملک میں واپس آنے کا حق حاصل ہے۔

10۔ جرائم میں ملوث نہ ہونے کی صورت میں ہرانسان کو کسی دوسرے ملک میں پناہ لینے اور ظلم سے تحفظ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

11۔ ہرانسان کو انفرادی یا اجتماعی صورت میں جائیداد رکھنے کا حق حاصل ہے اور کسی کو اُس کی ملکیت جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03495315886

12۔ ہر انسان کو کوئی بھی نظریہ یا مذہب اختیار کرنے، مذہبی عقائد رکھنے، تبلیغ اور عبادات کا حق حاصل ہے۔

13۔ ہر انسان کو آزادی اظہار رائے، پرامن اجتماع اور تنظیم سازی کا حق حاصل ہے۔

14۔ ہر شخص کو اپنے ملک کے حکومتی نظام میں براہ راست یا اپنے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے اور ریاستی خدمات سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے۔

15۔ ہر انسان کو اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے، مساوی کام کے لیے مساوی اجرت حاصل کرنے اور اپنے پیشہ ورانہ مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے تنظیم سازی (یونین سازی) کا حق حاصل ہے۔

16۔ تمام انسانوں کو اچھی اور معیاری زندگی بسر کرنے اور صحت اور بہبود کی بنیادی سہولیات مثلاً خوراک، لباس، رہائش اور طبی سہولیات میسر ہونے کا حق ہے۔

17۔ تمام لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ بنیادی تعلیم لازمی ہوگی اور مفت فراہم کی جائے گی۔ جبکہ اعلیٰ تعلیم کے مواقع اہلیت کی بنیاد پر سب کو یکساں طور پر میسر ہوں گے۔

18۔ ہر انسان کو بنیادی حقوق اور آزادی حاصل ہے مگر وہ دوسرے انسانوں کے حقوق اور آزادی میں مداخلت نہیں کرے گا۔

اقوام متحدہ کے اس عالمگیر انسانی حقوق کے اعلان میں جن بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ اُن میں سے اکثر و بیشتر ہمارے مذہب اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED-03498615886

مشق

1. خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کریں:۔

i. اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے عالمی انسانی حقوق کا اعلامیہ 10 دسمبر ________ کو منظور کیا۔

ii. قراردادِ مقاصد ________ نے دستور ساز اسمبلی میں پیش کی تھی۔

iii. پاکستان کا پہلا آئین ________ میں نافذ کیا گیا۔

iv. 1973ء کے آئین میں پہلی مرتبہ ________ کی تعریف کی گئی۔

v. سود سے پاک بینکاری کا نظام جنوری ________ میں شروع کیا گیا۔

2. بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کریں:۔

i. قراردادِ مقاصد کی تیاری میں کس نے سب سے اہم کردار ادا کیا؟

(مولانا مودودی، مولانا اشرف علی تھانوی، سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی)

ii. پاکستان کا پہلا آئین کب نافذ کیا گیا؟

(1950ء، 1952ء، 1954ء، 1956ء)

iii. پاکستان کے کون سے آئین میں وزیرِ اعظم کا عہدہ نہیں تھا؟

(1935ء، 1956ء، 1962ء، 1973ء)

iv. پاکستان کے کون سے آئین میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا؟

(1935ء، 1956ء، 1962ء، 1973ء)

v. زکوٰۃ آرڈیننس کا نفاذ کب ہوا؟

(20 جون 1980ء، 23 مارچ 1986ء، 23 مارچ 1988ء، 11 اگست 1990ء)

3. مندرجہ ذیل میں سے صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں:۔

i. قیامِ پاکستان کے بعد کئی سال تک آئین سازی کا کام التوا کا شکار رہا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTOR - TOUSEEF AHMAD-03499815886

ii. 1956ء کے آئین کے تحت پاکستان کے وزیر اعظم کے لیے مسلمان ہونے کی شرط نہیں تھی۔

iii. ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں پہلی دفعہ سکولوں میں اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا۔

iv. 1973ء کے آئین کے تحت سرکاری ملازمین سیاست میں براہِ راست حصہ لے سکتے ہیں۔

v. عالمی انسانی حقوق کے اعلامیے اور خطبہ حجۃ الوداع میں بہت سے باتیں مشترک ہیں۔

4. مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:-

i. قراردادِ مقاصد میں حاکمیتِ اعلیٰ کا کیا تصور دیا گیا ہے؟

ii. اسلامی نظریاتی کونسل کے کیا فرائض ہیں؟

iii. 1973ء کے آئین میں لفظ ''مسلمان'' کی تعریف کیسے کی گئی ہے؟

iv. خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے غلاموں کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟

v. خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے عورتوں کے بارے میں کیا تاکید فرمائی؟

5. قراردادِ مقاصد کو آئین کا حصہ کیوں بنایا گیا؟ تفصیلی جائزہ لیں۔

6. 1973ء کے آئین میں شامل اسلامی دفعات تحریر کریں۔

7. اقوامِ متحدہ کے عالمگیر انسانی حقوق کے اعلامیے اور خطبہ حجۃ الوداع میں کیا مماثلت پائی جاتی ہے؟ جائزہ لیں۔

8. پاکستان میں نفاذِ اسلام کی طرف اب تک کیا پیش رفت ہوئی ہے؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TRUSTEE AHMAD-03498815886

باب پنجم

پاکستان کا حکومتی ڈھانچہ اور اچھا نظامِ حکومت

وفاقی حکومت کے ادارے اور اُن کی کارکردگی

پاکستان ایک وفاقی مملکت ہے اور 1973 کے آئین کی رو سے اختیارات صوبوں اور مرکز میں منقسم ہیں۔ وفاقی حکومت اور صوبائی حکومتیں اپنے اپنے آئینی اختیارات کے مطابق کام کرتی ہیں۔

ملک کے سربراہ کی حیثیت صدر کو حاصل ہوتی ہے جبکہ حکومت کا سربراہ وزیراعظم ہوتا ہے۔ وزیراعظم کی مدد کے لیے کابینہ ہوتی ہے۔ ہر وفاقی وزیر کے ذمے ایک یا ایک سے زیادہ وزارتیں (محکمے) ہوتی ہیں جن کی کارکردگی کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ قومی سطح پر قانون سازی کے لیے منتخب مجلسِ شوریٰ قائم ہے، جو دو ایوانوں قومی اسمبلی اور سینیٹ پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ملازمین کا مستقل سرکاری عملہ ہوتا ہے جو حکومت کی پالیسیوں پر عمل درآمد کرواتا ہے۔ ہر وزارت کا ایک سیکریٹری ہوتا ہے جو اس کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کی مدد کے لیے ہر وزارت میں سینکڑوں چھوٹے بڑے افسر اور دیگر عملہ ہوتا ہے۔

• وفاق میں صدر کی حیثیت اور اختیارات

آئین کے مطابق صدرِ مملکت، ملک کا سربراہ ہوگا اور وہی جمہوریہ کی بطورِ وحدت نمائندگی کرے گا۔
آئین کے تحت صدارتی امیدوار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِن اوصاف کا حامل ہو۔

i۔ مسلمان ہو۔

ii۔ اس کی عمر 45 سال سے کم نہ ہو۔

iii۔ وہ قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کی اہلیت رکھتا ہو۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS ... AHMAD-03499815886

صدر کے اختیارات

انتظامی اختیارات

وفاق کے اعلیٰ ترین انتظامی اختیارات صدر مملکت کو حاصل ہیں۔ جنھیں وہ وزیراعظم اور اس کی کابینہ کے مشورے کے مطابق سرانجام دے گا۔

کابینہ کی تشکیل

اس سلسلے میں سب سے اہم اختیار وزیراعظم کا تقرر ہے۔ آئین کے مطابق صدر ایسے شخص کو کابینہ کی تشکیل کی دعوت دے گا جسے قومی اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو۔ صدر، وزیرِ اعظم کے مشورے پر کابینہ کے دیگر وزراء اور وزراء مملکت کا تقرر کرے گا۔

خصوصی اختیارات

صدر کسی بھی مسئلہ پر کابینہ کو عمومی طور پر یا خصوصی طور پر دوبارہ غور کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ ان میں ایسے معاملات بھی شامل ہیں جن پر فیصلہ وزیراعظم یا کسی وزیر نے کیا ہو لیکن وہ کابینہ میں زیرِ بحث نہ آیا ہو۔ صدر اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کسی بھی معاملے پر وزیرِ اعظم یا کسی وزیر سے مشورہ طلب کر سکتا ہے لیکن وہ ان کے مشورے کا پابند نہیں ہوگا۔

تقرریاں

صدر، وزیرِ اعظم اور دیگر وفاقی وزراء کا تقرر کرتا ہے۔ دوسرے ممالک میں سفیروں کا تقرر، چیف الیکشن کمشنر اور اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا تقرر صدر کے اہم ترین اختیارات ہیں۔ آئین کی 17 ویں ترمیم کے تحت صدر چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی اور تینوں مسلح افواج کے سربراہان کا تقرر وزیرِ اعظم کے مشورے سے کرتا ہے۔ قومی اسمبلی تحلیل ہونے کی صورت میں صدر ایک نگران کابینہ مقرر کرتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03456815686

قانون سازی سے متعلق اختیارات

قانون سازی دراصل قانون ساز ادارے کرتے ہیں لیکن مجلس شوریٰ قانون بنانے کے بعد صدر سے منظوری حاصل کرتی ہے۔ صدر جب چاہے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلا سکتا ہے، ملتوی کر سکتا ہے یا وزیر اعظم کے مشورہ پر قومی اسمبلی توڑ سکتا ہے۔

عدالتی اختیارات

صدرِ مملکت سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحبان اور دیگر ججوں کا تقرر کر سکتا ہے۔ تاہم ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری کے سلسلے میں وہ صوبائی گورنر سے بھی مشورہ کرے گا۔ وہ سزاؤں کو معاف کرنے، ان میں کمی کرنے یا ان کے نفاذ کو معطل کرنے کا مجاز ہوگا۔ صدر کے آئینی اختیارات کے استعمال کے سلسلے میں کسی بھی اقدام کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

وزیر اعظم کی حیثیت اور اختیارات

وزیر اعظم کو کابینہ میں امتیازی حیثیت حاصل ہے اور صدر کا اہم مشیر ہونے کی حیثیت سے حکومت اور حکومت کی پوری انتظامی مشینری اس کی ذات کے گرد گھومتی ہے۔ ایک طرف وہ پوری انتظامیہ کا نگران ہے تو دوسری طرف وہ قومی قائد اور قائدِ ایوان بھی ہے۔ وزیرِ اعظم کی حیثیت کے مختلف پہلوؤں کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

کابینہ کا سربراہ

وزیر اعظم کابینہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ کابینہ کی تشکیل کے سلسلے میں وزراء کی فہرست تیار کر کے صدر کی منظوری حاصل کرتا ہے۔ وزراء اور ان کے متعلقہ شعبوں کی نگرانی اور اُن کے مابین ربط اور ہم آہنگی برقرار رکھنا ایک قابل وزیر اعظم کی خصوصیت ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886

بطورِ قائدِ ایوان

قومی اسمبلی میں اکثریتی جماعت کا قائد ہونے کے سبب وزیرِ اعظم کو قائدِ ایوان کی حیثیت حاصل ہے۔اس حیثیت سے وہ پالیسی سے متعلق اہم اعلانات اور بیانات جاری کرتا ہے۔قومی اسمبلی میں مختلف امور طے کرنے کے سلسلے میں وہ قائدِ حزبِ اختلاف سے رابطہ برقرار رکھتا ہے۔قائدِ ایوان ہونے کی حیثیت سے وزیرِ اعظم کو ایوان میں خاص مراعات حاصل ہوتی ہیں۔

صدر اور کابینہ کے مابین رابطے کا ذریعہ

آئین کے تحت وزیرِ اعظم کو صدر اور کابینہ کے مابین رابطہ بھی برقرار رکھنا ہوتا ہے۔آئینی طور پر وفاقی حکومت کے تمام اختیارات کا استعمال صدر ہی کے نام پر ہوتا ہے تاہم وزیرِ اعظم کا یہ آئینی فریضہ ہے کہ ان اختیارات کے استعمال سے متعلق صدر کو باخبر رکھے۔بلاشبہ ہر وفاقی وزیر کو انتظامی شعبہ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے صدر تک رسائی حاصل ہے، لیکن عملی طور پر شعبوں کی کارکردگی کے متعلق صدر کو باخبر رکھنا وزیرِ اعظم ہی کی ذمہ داری ہے۔

پارلیمنٹ

آئین کے مطابق ملک کا اعلیٰ ترین قانون ساز ادارہ مجلسِ شوریٰ ہے۔اس کے دو ایوان ہیں۔

ایوانِ بالا (سینیٹ)

سینیٹ کی کل نشستوں کی تعداد 104 ہے۔اس میں چاروں صوبوں کو یکساں نمائندگی دی گئی ہے۔

نشستوں کی تقسیم یوں ہے۔

1۔	عام نشستیں (ہر صوبے سے) 14	=	14x4	=	56
2۔	خیبر پختونخوا میں نئے ضم شدہ اضلاع کی نشستیں (سینٹ کے اگلے انتخابات تک)		8	=	8
3۔	وفاقی دارالخلافہ (اسلام آباد)		2	=	2

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499815086

4۔ خواتین کی مخصوص نشستیں (ہر صوبے سے)	4	=	4 x 4 =	16
5۔ وفاقی دارالخلافہ سے خواتین کی نشست	1		=	1
6۔ ٹیکنوکریٹس کی نشستیں (ہر صوبے سے)	4	=	4 x 4 =	16
7۔ وفاقی دارالخلافہ سے ٹیکنوکریٹس کی نشست	1		=	1
8. اقلیتوں کی مخصوص نشستیں (ہر صوبے سے)	1		4x1 =	4

ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی)

قومی اسمبلی کے ممبران کو پانچ سال کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ اس کی نشستوں کی کل تعداد 342 ہے۔ ان کی صوبہ وار تفصیل یوں ہے۔

صوبہ پنجاب	183
صوبہ سندھ	75
صوبہ خیبر پختونخوا (بشمول نئے ضم شدہ اضلاع)	55
صوبہ بلوچستان	17
وفاقی دارالحکومت	2
اقلیتیں	10

سینیٹ کے ممبران آپس میں سے ایک چیئرمین اور ایک ڈپٹی چیئرمین کا انتخاب کرتے ہیں جبکہ قومی اسمبلی میں سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

عدلیہ:

سپریم کورٹ

عدلیہ کے پورے نظام میں سپریم کورٹ کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ سپریم کورٹ نہ صرف آئین کی تشریح کرتی ہے بلکہ وہ مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین اور حکومت کے احکام اور اقدامات کی آئینی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

حیثیت کو جانچنے کی بھی مجاز ہے۔ سپریم کورٹ کی مستقل نشست تو اسلام آباد میں ہے۔ تاہم چار ارکان پر مشتمل ایک مستقل بنچ لاہور، دو ارکان پر مشتمل بنچ پشاور اور دو ارکان پر مشتمل بنچ کراچی میں بھی موجود ہے۔ آئین کے مطابق سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا تقرر صدر کرتا ہے جب کہ باقی ججوں کا تقرر کرتے وقت صدر، چیف جسٹس سے مشورہ کرتا ہے۔

ہائی کورٹ

پاکستان کے آئین کے مطابق ہر صوبہ میں ایک ہائی کورٹ قائم کی گئی ہے۔ ہائی کورٹ کو خالص صوبائی عدالت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ ملک کے عدالتی نظام کے سلسلہ کا ایک حصہ ہے۔ ہائی کورٹ کے تمام ججوں کا تقرر صدر کرتا ہے۔

محتسب اعلیٰ

نظم و نسق میں رشوت ستانی اور دھاندلیوں کے تدارک کی خاطر وفاقی سطح پر محتسب اعلیٰ مقرر ہے، جب کہ صوبائی سطح پر بھی ان کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت

وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کا تقرر صدر پاکستان خود کرتا ہے۔ چیف جسٹس اور دوسرے جج صاحبان کی میعاد تین سال ہے لیکن صدر پاکستان ان کی دوبارہ تقرری کر سکتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت اسلام کے منافی قوانین پر نظرِ ثانی کرتی ہے۔

ماتحت عدالتیں

پاکستان میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کے لیے الگ الگ عدالتیں قائم ہیں۔ مثلاً ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ، فوجداری عدالتیں، دیوانی عدالتیں، مالگزاری عدالتیں، انتظامی عدالتیں اور ٹربیونل وغیرہ وغیرہ۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03491588

مرکزی (وفاقی) اور صوبائی مشترکہ ادارے

وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان بعض امور کو سرانجام دینے کے لیے ایسے ادارے قائم ہیں جن کا تعلق وفاقی اور صوبائی حکومت دونوں سے یکساں ہوتا ہے۔ مثلاً

1۔ منصوبہ بندی کمیشن
2۔ مشترکہ مفادات کی کونسل
3۔ قومی اقتصادی کونسل
4۔ قومی مالیاتی کمیشن
5۔ اسلامی نظریاتی کونسل

صوبائی حکومتیں (The Provincial Governments)

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے 1973ء کے آئین کے مطابق صوبوں کے اندر پارلیمانی نظام رائج کیا گیا ہے۔ ہر صوبے کا انتظامی سربراہ گورنر ہوتا ہے۔ وزیر اعلیٰ صوبائی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے وہ صوبے کا انتظام صوبائی وزراء اور سول سیکریٹریٹ کی مدد سے چلاتا ہے۔ ہر صوبائی وزیر کے ذمے ایک یا ایک سے زیادہ محکمے ہوتے ہیں جن کی کارکردگی کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ صوبائی سطح پر قانون سازی کے لیے منتخب صوبائی اسمبلی ہوتی ہے۔

صوبائی گورنر

جو اہمیت ملک میں سربراہ کی حیثیت سے صدر کو حاصل ہوتی ہے وہی اہمیت صوبے میں گورنر کے حصے میں آتی ہے۔ ذیل میں گورنر کے فرائض و اختیارات کا ذکر کیا گیا ہے۔

انتظامی امور

تمام صوبائی احکامات گورنر کے نام پر کیے جاتے ہیں۔ بیشتر امور میں گورنر، وزیر اعلیٰ اور صوبائی کابینہ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

کے مشورہ کا پابند ہے۔ وزیرِ اعلیٰ کا فرض ہے کہ گورنر کو اپنی کارکردگی سے باخبر رکھے۔
گورنران تمام ذمہ داریوں کو بھی پورا کرے گا جو اس پر وقتاً فوقتاً صدر کی جانب سے عائد کی جائیں گی۔

عدالتی اختیارات

ہائی کورٹ کے ججوں کا تقرر کرتے وقت صدر مملکت متعلقہ صوبہ کے گورنر سے بھی صلاح و مشورہ کرتا ہے۔

ہنگامی حالات کے دوران فرائض

جب پورے ملک یا ملک کے کسی حصہ میں ہنگامی حالات کا نفاذ کیا جاتا ہے تو ہنگامی حالات کے اعلان کے بعد وفاقی حکومت کے ایما پر گورنر ایسے تمام اختیارات کا خود استعمال کر سکتا ہے جو صوبائی اسمبلی کے سوا کسی بھی صوبائی ادارے کو حاصل تھے۔ اس طرح تمام انتظامی اختیارات گورنر کے پاس چلے جاتے ہیں۔

صوبائی کابینہ (The Provincial Cabinet)

صوبائی حکومت میں پارلیمانی اصول رائج ہونے کے باعث اصل انتظامی اختیارات صوبائی وزیرِ اعلیٰ اور اس کی کابینہ کو حاصل ہیں۔ آئین کی دفعہ 129 کے مطابق ''صوبائی حکومت صوبائی نظم و نسق کے سلسلے میں اپنے اختیارات کا استعمال گورنر کے نام پر کرے گی۔'' صوبائی حکومت میں وزیرِ اعلیٰ اور وزراء اپنے فرائض گورنر کی زیرِ نگرانی سرانجام دیں گے، جسے سربراہ کی حیثیت حاصل ہوگی۔ آئین کے مطابق گورنر ایسے شخص کو وزیرِ اعلیٰ مقرر کرے گا جسے متعلقہ صوبائی اسمبلی میں اکثریتی ارکان کی حمایت حاصل ہو۔

صوبائی اسمبلی

آئین کے مطابق صوبائی اسمبلی صرف ایک ہی ایوان پر مشتمل ہوتی ہے۔ صوبائی اسمبلی میں نشستوں کی تعداد یوں ہے۔

صوبہ بلوچستان (کل نشستیں) 65

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499841586

صوبہ خیبر پختونخوا	"	145
صوبہ سندھ	"	168
صوبہ پنجاب	"	371

صوبائی اسمبلی پانچ سالوں کے لیے منتخب کی جاتی ہے۔

گورنر صوبائی وزیر اعلیٰ کے مشورہ سے اسمبلی کو برخاست کرسکتا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں گورنر کو سو (100) دنوں کے اندر نئی اسمبلی کی تشکیل کے لیے انتخابات کا انعقاد کرنا ہوگا۔ گورنر صوبائی اسمبلی کو خود بھی قانون سازی سے متعلق سفارشات بھیج سکتا ہے اور وہ ان پر غور وخوض کرنے کی پابند ہوگی۔

وزراء کا تقرر

صوبائی وزیر اعلیٰ گورنر کے مشورے سے صوبائی کابینہ کی تشکیل کرتا ہے اور اس کے مشورے پر ان کے درمیان محکموں کی تقسیم کرتا ہے۔ اپنے عہدوں کا چارج سنبھالنے سے قبل نئے وزراء کو گورنر کے سامنے اپنے عہدوں کا حلف اٹھانا ہوتا ہے۔ کابینہ اپنے تمام امور کے لیے صوبائی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔

انتظامی اختیارات

1973ء کے آئین کے مطابق صوبائی انتظامیہ کا دائرہ اختیار ان تمام معاملات کے انتظامی پہلو تک وسیع ہوگا جن پر صوبائی اسمبلی قانون سازی کرسکتی ہے۔ صوبائی کابینہ تمام اہم صوبائی معاملات اور قانون سازی سے متعلق تجاویز سے گورنر کو باخبر رکھے گی۔ نیز وہ اس بات کی بھی پابند ہوگی کہ گورنر کی طرف سے تجویز کردہ امور پر غور وخوض کرے۔

قانون سازی کے اختیارات

صوبوں میں بھی وزارتی نظام رائج ہونے کے باعث وزیر اعلیٰ اور تمام وزراء اسمبلی کے اجلاسوں میں حاضر ہوں گے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لیں گے۔ واضح رہے کہ اسمبلی میں قانون سازی سے متعلق بیشتر مسودات کابینہ کی طرف سے ہی پیش کیے جاتے ہیں اور اکثریتی گروہ کی تائید پر بالعموم منظور کرا لیے جاتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499315886

مالیاتی اختیارات

صوبائی کابینہ ہر سال اخراجات و آمدنی کے گوشواروں کی صورت میں سالانہ میزانیہ (بجٹ) اسمبلی میں منظوری کیلئے پیش کرتی ہے۔عام طور پر اکثریتی گروپ کی حمایت کے بل بوتے پر وہ اپنی مالیاتی تجاویز کو منظور کرالیتی ہے۔چنانچہ مالیات پرکنٹرول ہی کابینہ کو دوسرے اداروں سے ممتاز کرتا ہے۔

نگران کابینہ

ایسی صورت میں جب کہ اسمبلی برخاست ہوچکی ہو تو گورنر، وزیر اعلیٰ اور اس کی کابینہ کو اس وقت تک کام جاری رکھنے کا حکم دے سکتا ہے جب تک کہ نئی کابینہ کی تشکیل نہیں ہوجاتی۔نیز صدر کے مشورہ پر گورنرنگران کابینہ (Caretaker Cabinet) بھی مقرر کرسکتا ہے اور ایک غیررکن اسمبلی بھی وزیراعلیٰ،وزیر یا وزیرمملکت مقرر ہوسکتا ہے۔

مقامی حکومتیں

پس منظر

انسانی معاشرے کی اجتماعی ضروریات ، سماجی اور سیاسی تصورات جوں جوں بڑھتی گئی ہیں تو اُسی تناسب سے قوانین، قواعد اور ضوابط کی ضرورت سامنے آتی رہتی ہے اور جوں جوں انسانی معاشرے کے معاملات پیچیدہ ہوتے گئے اُسی تناسب سے اس امر کی ضروررت محسوس ہوتی رہی کہ ان معاملات میں ترجیحات کاتعین کس طرح کیا جائے تاکہ انسانی معاشرہ کسی جمود کے بغیر آگے بڑھتا جائے۔اسی سلسلے میں وقتاًفوقتاًبلدیاتی انتخابات ہوتے رہے ہیں اور مقامی حکومتیں بنتی رہی ہیں۔لیکن مقامی حکومتوں کو زیادہ اختیارات 2000ء کے ایکٹ کے تحت حاصل ہوئے اور اختیارات کے نچلی سطح پر منتقلی عمل میں لائی گئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

2005ء کے ایکٹ کو بعض ترامیم کے ساتھ نافذ کیا گیا۔اب نئی مقامی حکومتیں تشکیل دی گئی ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

مقامی حکومتیں (2013ء)

صوبائی اسمبلی نے مقامی حکومتوں کے ایکٹ 2013ء کے مطابق 30 مئی 2015ء کو بلدیاتی انتخابات کا پہلا مرحلہ مکمل کیا جس کے تحت تین سطح کی مقامی حکومتیں بنیں۔

ا۔ دیہی/محلہ کونسل

۲۔ تحصیل/ٹاؤن کونسل

۳۔ ضلعی حکومت/ضلع کونسل

دیہی/محلہ کونسل

مقامی حکومتوں کے اس نظام کی بنیادی اکائی دیہی علاقوں کیلئے دیہی کونسل اور شہری علاقوں کیلئے محلہ کونسل ہے۔دیہی اور محلہ کونسل 10 سے 15 ارکان پر مشتمل ہوتی ہے۔آبادی کی بنیاد پر متعین کردہ پانچ سے دس ارکان جنرل نشستوں پر منتخب ہوتے ہیں جبکہ خواتین کی دو، مزدور/کسان، نوجوان اور غیر مسلموں کے ایک ایک نشست مختص ہے۔جنرل کونسلر میں سب سے زیادہ ووٹ لینے والا ناظم اور دوسرے نمبر پر زیادہ ووٹ لینے والا نائب ناظم کہلاتا ہے۔یہ انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر بلاواسطہ ہوتے ہیں۔ پورے صوبے میں تقریباً تین ہزار پانچ سو دیہی اور محلہ کونسلیں قائم کی گئی ہیں۔ ہر کونسل میں خواتین، مزدوروں/کسانوں، اقلیتوں اور نوجوانوں کیلئے نشستیں مخصوص کی گئی ہیں جس کی وجہ سے یہ یقینی بنایا گیا ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات کو مؤثر نمائندگی دی جائے۔دیہی اور محلہ کونسلوں کی بنیادی ذمہ داریاں یہ ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

دیہی/محلہ کونسل کی ذمہ داریاں

۱۔ سرکاری دفاتر کی کارکردگی کی نگرانی تاکہ عوام کو سرکاری خدمات کی فراہمی میں بہتری لائی جائے۔

۲۔ ثالثی کے ذریعے تنازعات کا پرامن حل تاکہ معاشرے میں اختلافات کا خاتمہ ہوسکے۔

۳۔ پیدائش، اموات اور نکاح کی رجسٹریشن تاکہ فلاح و بہبود کی بہتر منصوبہ بندی ہوسکے۔

۴۔ گاؤں اور محلے کی سطح پر صاف پانی کی فراہمی، صفائی، نکاسی آب، گلیوں کی پختگی، سماجی اور اجتماعی مقامات کی دیکھ بھال اور کھیلوں کیلئے میدانوں کی تعمیرومرمت تاکہ مقامی سطح پر حفظانِ صحت اور صحت مند سرگرمیوں کا انتظام ہوسکے۔

۵۔ عام لوگوں کو اجتماعی فلاح و بہبود کیلئے منظم کرنا تاکہ گلیوں، کوچوں اور شاہراہوں کی تعمیرومرمت اور انہار کی صفائی میں حصہ لے سکیں۔

۶۔ گلی اور محلے کی سطح پر چوکیداروں کا انتظام تاکہ لوگوں میں تحفظ کا احساس پیدا ہوسکے۔

۷۔ کونسل کی سطح پر ایک اکاؤنٹس کمیٹی کا انتخاب تاکہ سرکاری رقم کے خرچ کا باقاعدہ حساب کتاب کیا جاسکے۔

۸۔ معذوروں، غریبوں اور ناداروں کیلئے وسائل کی فراہمی کا انتظام تاکہ اِن کے مشکلات اور تکالیف کا ازالہ ہوسکے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499805886

تحصیل/ٹاؤن کونسل اور اس کی ذمہ داریاں

تحصیل کی سطح پر خیبر پختونخوا میں مقامی حکومتوں کے 74 انتظامی یونٹ قائم کیے گئے ہیں جن کا انتخاب بلاواسطہ جماعتی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ تحصیل کونسل میں بھی خواتین، مزدوروں / کسانوں، اقلیتوں اور نوجوانوں کو مخصوص نشستوں پر نمائندگی دی گئی ہے۔ تحصیل/ٹاؤن کونسل کے ناظم اور نائب ناظم کا انتخاب منتخب کونسلر کرتے ہیں۔ تحصیل کی سطح پر مقامی حکومت کا بنیادی کام بلدیاتی خدمات کی فراہمی ہے جن کے اجزاء مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پانی کی ترسیل کا انتظام کرنا اور اس میں بہتری پیدا کرنا تاکہ لوگوں کو صاف اور محفوظ پانی مل سکے۔

۲۔ پوری تحصیل میں صفائی، نکاسی آب اور کوڑا کرکٹ کو ٹھکانے لگانا تاکہ حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق زندگی گزاری جاسکے۔

۳۔ مختلف ضرورتوں کیلئے اراضی کے استعمال میں باقاعدگی پیدا کرنا تاکہ قصبے اور شہر منظم انداز سے آباد ہوسکیں اور اراضی کو بہتر سے بہتر انداز میں استعمال کیا جاسکے۔

۴۔ بلدیاتی خدمات سے متعلق تمام قوانین اور قواعد کا نفاذ تاکہ اُن خرابیوں کا تدارک ہوسکے جو عوام کی انفرادی اور اجتماعی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۵۔ سرکاری اختیارات، شاہراہوں، گلیوں اور دوسرے عوامی مقامات سے تجاوزات کا خاتمہ تاکہ لوگوں کی آمدورفت میں سہولت اور آسائش پیدا ہوسکے۔

۶۔ شہروں کی اندرونی سڑکوں کی تعمیر، مرمت اور دیکھ بھال تاکہ بازاروں، مارکیٹوں اور کاروباری مراکز میں آمدورفت میں آسانی ہو۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

ضلعی حکومت کی ذمہ داریاں

ضلع ہمارے نظامِ حکومت میں سب سے اہم انتظامی اکائی ہے۔اس کے ممبران کا انتخاب تحصیل کونسلرز کی طرح بلاواسطہ یونین کونسل کی سطح پر جماعتی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔خواتین،مزدور/کسان، نوجوان اور غیر مسلموں کیلیئے بلاواسطہ انتخاب کیا جاتا ہے۔ضلع ناظم اور نائب ناظم کا انتخاب منتخب ضلعی کونسلر کرتے ہیں۔ مقامی حکومتوں کے نظام میں ہر ضلع کیلیئے ایک ضلعی حکومت قائم کی گئی ہے اور صوبائی حکومت نے تقریباً چوبیس محکموں/ دفاتر کی ذمہ داری ضلعی حکومتوں کو تفویض کی ہے۔اِس نظام کے تحت مندرجہ ذیل اہم خدمات کی فراہمی، انتظام،اہتمام اور نگرانی متعلقہ ضلعی حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔

۱۔ پرائمری تا ثانوی تعلیم

۲۔ دیہی اور بنیادی مراکزِ صحت اور ہسپتال

۳۔ سماجی فلاح و بہبود

۴۔ مال گزاری اور زرعی شعبہ کی خدمات بمعہ انجمن ہائے امدادِ باہمی

۵۔ دیہی ترقیاتی امور

۶۔ بہبودِ آبادی وغیرہ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03495815886

غور سے دیکھا جائے تو یہی وہ سماجی اور معاشرتی خدمات ہیں جن کی عام آدمی مقامی سطح پر حکومت سے توقع رکھتا ہے۔ اِن کا انتظام و انصرام ضلعی حکومتوں کو تفویض کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ خدمات بہتر اور مؤثر انداز میں لوگوں کو اِن کی دہلیز پر فراہم کی جاسکیں۔

جب بہت ساری بلدیاتی اور سماجی خدمات کی فراہمی ایک قانون کے ذریعے مقامی حکومتوں کو سونپی گئی ہے تو اس کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقامی حکومتیں اُن وسائل کا اہتمام کیسے کریں گی جو اِن خدمات کی فراہمی بلکہ بہتر انداز میں فراہمی کیلئے درکار ہیں۔اس مقصد کیلئے قانون میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ہر سال اِن مقامی حکومتوں کو ترقیاتی بجٹ کا کم از کم تیس فیصد حصہ دیا جائے گا۔اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مالی سال 16-2015ء کے بجٹ میں دیہی اور محلّہ کونسلوں کے لئے تیرہ ارب روپے سے زیادہ وسائل مختص کیے گئے تھے جن کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

مقامی حکومتوں کو ذمہ داری، اختیارات اور وسائل کی تفویض کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے لیے آسانی اور آسائش پیدا کی جائے اس لئے قانون میں اس امر کا انتظام بھی کیا گیا ہے کہ ان وسائل کا باقاعدہ آڈٹ کیا جائے اور مقامی حکومتوں کی کارگزاری اور کارکردگی کا باقاعدہ حساب رکھا جائے تاکہ سرکاری وسائل کے بہتر استعمال کے ذریعے شہریوں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لائی جاسکے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- YOUSEF AHMAD 03498815886

غور سے دیکھا جائے تو یہی وہ سماجی اور معاشرتی خدمات ہیں جن کی عام آدمی مقامی سطح پر حکومت سے توقع رکھتا ہے اِن کا انتظام و انصرام ضلعی حکومتوں کو تفویض کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ خدمات بہتر اور مؤثر انداز میں لوگوں کو اِن کی دہلیز پر فراہم کی جاسکیں۔

جب بہت ساری بلدیاتی اور سماجی خدمات کی فراہمی ایک قانون کے ذریعے مقامی حکومتوں کو سونپی گئی ہے تو اس کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقامی حکومتیں اُن وسائل کا اہتمام کیسے کریں گی جو اِن خدمات کی فراہمی بلکہ بہتر انداز میں فراہمی کیلیئے درکار ہیں۔اس مقصد کیلیئے قانون میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ہر سال اِن مقامی حکومتوں کو ترقیاتی بجٹ کا کم از کم تیں فیصد حصہ دیا جائے گا۔اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مالی سال 16-2015ء کے بجٹ میں دیہی اور محلّہ کونسلوں کے لئے تیرہ ارب روپے سے زیادہ وسائل مختص کیے گئے تھے جن کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

مقامی حکومتوں کو ذمہ داری، اختیارات اور وسائل کی تفویض کا بنیادی تقاضایہ ہے کہ لوگوں کے لیے آسانی اور آسائش پیدا کی جائے اس لئے قانون میں اس امر کا انتظام بھی کیا گیا ہے کہ ان وسائل کا باقاعدہ آڈٹ کیا جائے اور مقامی حکومتوں کی کارگزاری اور کارکردگی کا باقاعدہ حساب رکھا جائے تاکہ سرکاری وسائل کے بہتر استعمال کے ذریعے شہریوں کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لائی جاسکے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD 03499815886

مقامی حکومتوں کے نظام میں انتظامی لحاظ سے متعلقہ ناظم کو مرکزی اہمیت حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی بھی غیر قانونی اور خلافِ قاعدہ فیصلے کیلئے ذاتی طور پر ذمہ دار بھی ہے۔اس کے علاوہ وہ اس امر کا پابند ہے کہ اپنی انتظامیہ اور سرکاری محکموں کی سہ ماہی رپورٹ کونسل میں پیش کرے اور کونسل کی رہنمائی میں غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرے۔

ہر مقامی حکومت کی کونسل متعلقہ علاقوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے جن میں سے ہر ایک اپنے حلقۂ انتخاب اور رائے دہندگان کے سامنے جوابدہ ہے۔اس لئے ہر مقامی حکومت کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنا سالانہ بجٹ، ترقیاتی پروگرام اور اہم ترقیاتی منصوبوں کی منظوری متعلقہ کونسل سے لے۔اس انتظام کا فائدہ یہ ہے کہ اجتماعی فہم وفراست کے نتیجے میں بہتر منصوبہ بندی ہو سکے گی۔

اچھا نظام حکومت اور اسلام

ساتویں صدی عیسوی میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے عرب میں جو انقلاب برپا کیا اس کے اثرات اتنے دور رس تھے کہ اس کو بعد کے ادوار میں تمام انقلابات کی بنیاد اور اساس قرار دیا جاسکتا ہے۔اسلامی انقلاب صرف ذہنی یا مذہبی نہیں بلکہ یہ ایک پسماندہ قبائلی معاشرے میں معاشی اور معاشرتی انقلاب بھی تھا۔اسلام نے عوام کی فلاح و بہبود کو حکومت کے اہم ترین فرائض میں شامل کر کے مثالی فلاحی مملکت کا نمونہ پیش کیا۔اسلام نے بہتر اسلوبِ حکمرانی کے جو اصول مقرر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499816886

حصول علم کی تاکید

اسلام میں علم حاصل کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے اور علم حاصل کرنا مرد و عورت کیلئے فرض قرار دیا گیا ہے۔موجودہ زمانے میں بھی ملک وقوم کی ترقی کیلئے علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

آزادی نسواں کا تصور

آج کل عورتوں کے حقوق کے بارے میں کافی بحث و مباحثے ہورہے ہیں لیکن اسلام نے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے حقوق کا نعرہ بلند کیا اور عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دے کر زمانہ جاہلیت کی لاچار عورتوں کو ایک عظیم مقام دیا۔

غلاموں سے بہتر سلوک

حضور ﷺ نے صدیوں پہلے یہ واضح کردیا تھا کہ کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔برتری کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا۔اسی لئے اسلام نے غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی۔

جمہوریت

خلفائے راشدین کے دور میں حکمرانی کی روح جمہوریت پر قائم تھی۔ یہاں تک کہ ایک عام آدمی کھڑے ہو کر خلیفہ وقت پر سرِ عام اعتراض کر سکتا تھا۔ خلفاء کا انتخاب جمہوری طریقہ پر کیا جاتا تھا۔

عوامی حکومت

اسلام نے سب سے پہلے اس تصور کو عام کیا کہ حکمران عوام کے خادم ہیں۔ بیت المال کو عوام کی امانت تصور کیا جاتا تھا۔ خلفائے راشدین اپنے ذاتی اخراجات کے لیے بھی سرکاری خزانے سے پیسے نہیں لیتے تھے۔

مشاورت

خلفائے راشدین کے دور میں عوام میں اتنا جمہوری شعور پیدا ہو گیا تھا کہ ایک عام آدمی بھی خلیفہ وقت کے اقدامات پر اپنی رائے کا اظہار کر سکتا تھا۔ حکومت کے تمام کام مجلسِ شوریٰ میں مشورے کے لیے پیش ہوتے تھے اور اس پر عوام کی رائے بھی لی جاتی تھی۔

فلاحی حکومت

حضور ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ "قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "خدا کے نزدیک سب سے زیادہ خوش نصیب وہ حاکم ہے جس کے ذریعے رعایا خوشحال ہو اور سب سے زیادہ بد بخت حاکم وہ ہے جس کے ذریعے رعایا بد حال ہو۔"

فلاحی ریاست کا تصور سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف منصوبے شروع کیے، عدالتیں بنوائیں، نہریں کھدوائیں، لائبریریاں قائم کیں اور یتیم بچوں سے لے کر بیوہ عورتوں تک سب کے لیے وظائف مقرر کیے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-0336-9915886

بنیادی حقوق کا تحفظ

حکومت چلانے میں بنیادی کردار اس کے سربراہ کا ہوتا ہے۔ اگر وہ امانت دار اور دیانت دار ہو تو عوام کے حقوق کا خیال رکھتا ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں خلفاء کی ذاتی زندگیاں عام دنیا کے سربراہانِ مملکت کے لیے نہ صرف سادگی کی مثال تھیں بلکہ انھوں نے بغیر کسی امتیاز کے سب کے حقوق کا یکساں خیال رکھا اور کسی کو ذات، برادری، مذہب یا زبان کی بنیاد پر برتری نہیں دی۔ اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد لوٹ کھسوٹ سے پاک معاشرہ قائم کرنا ہے۔ جس میں ہر فرد کو بلا امتیاز ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔

عدلیہ کی آزادی

انسانی آزادی کے تحفظات میں عدلیہ اپنا اہم مقام رکھتی ہے۔ عدلیہ صحیح معنوں میں اُس وقت شہریوں کو تحفظ فراہم کرسکتی ہے جب وہ (عدلیہ) خودمختار ہو اور اُس پر انتظامیہ کا کوئی دباؤ نہ ہو۔

اسلام نے ہی سب سے پہلے ایک آزاد عدلیہ کا تصور دیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں قاضی (جج) پر خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی دباؤ نہیں ہوتا تھا اور وہ اپنے فیصلوں میں خودمختار ہوتا تھا۔

حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں انتظامِ سلطنت

حضرت عمر فاروق ؓ نے جہاں اپنے دس سالہ دورِ حکومت میں قیصر و کسریٰ کے محلات تک اسلامی سلطنت کی حدود پھیلائیں، وہیں آپ نے اَقوامِ عالم کے سامنے ایک ایسا منظّم انتظامِ سلطنت بھی پیش کیا جو آج بھی قابلِ عمل اور قابلِ تقلید ہے۔

جمہوریت کا تصور

حضرت عمر فاروق ؓ کا عظیم ترین کارنامہ جمہوریت کا وہ جذبہ ہے جو آپ ؓ نے اپنی قوم میں پیدا کیا۔ آپ نے عام آدمی کو یہ حق دیا تھا کہ وہ سرِ عام خلیفہ پر نکتہ چینی کرسکے۔ آپ نے باقاعدہ مجلسِ شوریٰ قائم کی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

آپ کا قول ہے "بغیر مشاورت خلافت ناممکن ہے۔"

ملکی تقسیم

حضرت عمرؓ نے سلطنت کو آٹھ انتظامی صوبوں میں تقسیم کیا۔ پھر صوبوں کو ضلعوں میں تقسیم کیا۔ صوبے کا گورنر والی کہلاتا تھا۔ اس کی مدد کے لیے صوبے میں اور بھی بہت سے افسر ہوتے تھے۔ یہ سب افسر صوبے کے والی کے ماتحت کام کرتے تھے۔ ان سب کو دربارِ خلافت سے نقد تنخواہ ملتی تھی۔

عمال کی تقرری و فرائض

حضرت عمرؓ عمال کی تقرری دو طریقوں سے کرتے تھے۔ پہلا طریقہ یہ تھا کہ مہاجرین و انصار کا جلسہ عام ہوتا اور اُس میں اراکینِ مجلسِ شوریٰ عمال کا انتخاب کرتے تھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مقامی باشندوں کو حق دیا جاتا تھا کہ اپنے عمال خود منتخب کریں۔ تقرری سے قبل عمال سے یہ عہد ضرور لیا جاتا تھا۔

1۔ ترکی گھوڑا (بہت قیمتی) استعمال نہیں کریں گے۔
2۔ باریک کپڑا نہیں پہنیں گے۔
3۔ چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں کریں گے۔
4۔ دروازے پر دربان نہیں ہوگا۔
5۔ ضرورت مندوں کے لیے ہر وقت دروازے کھلے رکھیں گے۔

عمال کو حج کے دنوں میں لازمی آنا ہوتا تھا تا کہ لوگ ان کے خلاف اپنی شکایات خلیفہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ عمال کے خلاف تحقیقات کے لیے خصوصی عملہ مقرر کیا جاتا تھا۔

مردم شماری اور زمین کی پیمائش

سب سے پہلے مردم شماری حضرت عمر فاروقؓ نے کروائی اور زمینوں کی پیمائش بھی آپ کے دورِ سلطنت میں کروائی گئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

بیت المال

حضرت عمرؓ کے دور سے قبل بیت المال کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ جو آمدنی ہوتی تھی اسے فوراً تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں وسیع فتوحات ہوئیں۔ جس کے نتیجے میں آمدنی کافی بڑھ گئی تھی۔ اس سلسلے میں آپ نے باہمی مشورے سے صوبوں میں بیت المال قائم کیے۔ جبکہ مرکزی بیت المال مدینہ میں قائم کیا گیا۔

صوبوں کے پاس مصارف کے بعد جو رقم بچ جاتی تھی وہ مرکزی بیت المال کو واپس کر دی جاتی تھی۔
بیت المال کی آمدنی کے بڑے ذرائع یہ تھے۔

i۔ مالِ غنیمت ii۔ زکوٰۃ iii۔ عشر iv۔ خراج v۔ جزیہ وغیرہ

سنہ ہجری کا اجراء

کاروبارِ سلطنت کافی پھیل گیا تھا۔ اہلِ عرب کسی خاص واقعہ سے شمار کا حساب کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ مسئلہ مجلسِ شوریٰ میں پیش کیا۔ کافی بحث ہوئی اور آخرکار متفقہ طور پر نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے اسلامی کیلنڈر شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کیونکہ ہجرت تاریخِ اسلام میں اہم ترین واقعہ ہے۔ اس کیلنڈر کا عملی آغاز ۱۶ ہجری سے ہوا۔

امیر المومنین کا لقب

خلیفہ عام طور پر خلیفہ رسول ﷺ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ نے امیر المومنین کے لقب کی ابتداء کی۔ بعد میں خلیفہ کو امیر المومنین کے لقب سے ہی یاد کیا جانے لگا۔

قاضی

قاضی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان کو نقد تنخواہ دی جاتی تھی۔ عدلیہ کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ ان پر انتظامیہ کا کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ قاضی کسی عام شخص کی شکایت پر امیر المومنین کو بھی عدالت

MDCAT BY FUTURE DOCTOR YOUSEF AHMAD 03099815886

میں بلا سکتا تھا۔ قانون کی نظر میں تمام لوگ برابر تھے۔

رفاہِ عامہ

آپ نے رفاہِ عامہ کو دیگر کاموں پر فوقیت دی۔ آپ نے دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ ضرورت مند لوگوں کے وظائف مقرر کیے۔ معذور اور محتاج افراد کو بیت المال سے تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں۔ اکثر شہروں میں مہمان خانے بنوائے۔ جہاں بیت المال کے خرچ سے مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ مدینہ میں غریبوں کے لیے عام لنگر قائم تھا۔ اس کا انتظام حضرت عمرؓ خود کرتے تھے۔ لاوارث بچوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ بچوں کی پیدائش کے دن سے ہی ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ آپ رات کو خود گشت کیا کرتے تھے تاکہ غریبوں کے حالات معلوم کر سکیں۔ سرکاری اخراجات سے جو رقم بچ جاتی وہ مسلمانوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ آپ نے دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پنشن کا نظام رائج کیا۔ آپ نے آب پاشی اور ذرائع آمد و رفت بہتر بنانے کے لیے کئی نہریں کھدوائیں۔

اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی اور بہتر اسلوبِ حکمرانی

اہداف اور توقعات

1947ء میں آزادی کے حصول کے بعد پاکستان میں جو نظامِ حکمرانی رائج ہوا وہ انگریزوں کے سامراجی اور نوآبادیاتی نظام پر مبنی تھا۔ اس نظام کی جڑیں جاگیردارانہ اور سامراجی بنیادوں پر قائم تھیں۔ عوام کا اس میں کوئی عمل دخل اور مرضی و منشا شامل نہ تھی۔ آزادی کے ساتھ اس سامراجی و دقیانوسی نظام کو تبدیل کرنا چاہیے تھا لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر کسی نے نظام کی تبدیلی کے لیے کوشش نہیں کی۔

گزشتہ صدر نے آئین کے مطابق ''حقیقی جمہوریت'' لانے کے لیے یہ تجویز پیش کی کہ جمہوریت تین سطح پر استوار ہو۔

1۔ وفاقی

2۔ صوبائی

3۔ مقامی

مقامی حکومتوں کے نظام سے حقیقی جمہوریت کے لیے نچلی سطح سے ایک بنیاد فراہم ہوگی اور اس کا بنیادی نکتہ ''لامرکزیت'' (Decentralization) ہے۔ جنرل پرویز مشرف، چیف ایگزیکٹیو پاکستان کے 17 اکتوبر 1999ء کے خطاب کے مطابق حکومت کے مندرجہ ذیل مقاصد طے پائے:۔

1۔ قومی اعتماد اور حوصلہ بحال کرنا۔

2۔ وفاق کو مضبوط کرنا، صوبوں کے درمیان عدم توازن ختم کرنا اور قومی یگانگت کو بحال کرنا۔

3۔ اقتصادی حالت کا احیاء کرنا اور سرمایہ کاری کے اعتماد کی تجدید کرنا۔

4۔ امن عامہ کو یقینی بنانا اور لوگوں کو انصاف فراہم کرنا۔

5۔ ریاستی اداروں کو سیاسی اثرات سے آزاد کرانا اور ان کی تعمیر نو کرنا۔

6۔ نچلی سطح پر لوگوں کو اختیارات منتقل کرنا۔

7۔ غیر جانبدارانہ احتساب کو یقینی بنانا۔

ان مقاصد اور اہداف کے حصول کے لیے'' بہتر اسلوبِ حکمرانی '' کو نہایت اہم تصور کیا گیا، اور اختیارات کو نچلی سطح پر منتقل کرنے اور بہتر اسلوبِ حکمرانی کے لیے حکومت نے مندرجہ ذیل اصول اپنائے۔

عوام کی مرکزی حیثیت

دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک میں عوام پر توجہ دی جارہی ہے۔ لٰہذا پاکستان میں معاشی، سیاسی، معاشرتی اور انتظامی امور کو عوام کی فلاح و بہبود کو مدِ نظر رکھ کر نبھانا ہوگا۔ اس نکتہ پر زور دیا گیا ہے کہ سیاسی نظام اور سیاسی پارٹیوں سے لوگوں کے اعتماد کا اٹھنا مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر ہے۔

i۔ مرکزیت

ii۔ دولت کی سیاست

iii۔ بدعنوانی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

حقوق اور ذمہ داری

حقوق کے لیے ذمہ داری شرط ہے اور اس میں ریاست اور عوام دونوں شامل ہیں۔ قومی تعمیرِ نو کے پروگرام میں عوام اور ریاست کے حقوق اور ذمہ داری پر مبنی پالیسیاں اپنائی گئی ہیں۔ اس میں عوام کے حقوق کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

i۔ ترقی و نشو و نما کا حق

ii۔ شمولیت کا حق

iii۔ معلومات کا حق

عوام کی خدمت

اس نئے نظام میں حکومت عوام کی خدمت کے لیے ہوگی۔ اس کے لیے حکومت، اداروں اور سیاسی کلچر کو بدلنا ہوگا۔ ماضی میں ریاست صرف ''شرفاء اور امراء (Elite)'' طبقے کے مفادات کا خیال رکھتی تھی۔ عام شہریوں کو صرف بھاری بھرکم ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے اور بدلے میں انھیں کچھ نہیں ملتا تھا۔

حکومت کی ازسرِ نو تعمیر کی پالیسی ہی میں ان تمام کو نئے نظام میں تبدیل کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا گیا۔ اس نئے نظام اور باتوں کے علاوہ لوکل گورنمنٹ کے لیے نئے نظام پر توجہ دی گئی۔

بااختیار بنانے کے اہداف

حکومت نے نئے نظام کو عملی جامہ پہنانے اور بااختیار بنانے کے لیے پانچ اہداف مقرر کیے۔

1۔ سیاسی قوت کی نچلی سطح پر منتقلی

2۔ انتظامی اتھارٹی کی (Decentralization) لامرکزیت

3۔ انتظامی کارگزاری کی بنیاد تک پہنچنا (Deconstrcution of Management Function)

4۔ انتظامی امور و اختیارات کو منتشر کرنے کا عمل (Diffusion of Power Authority Nexus)

5۔ وسائل کی تقسیم

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- FOUSEEF AHMAD-03499815886

بہتر اسلوبِ حکمرانی کو مؤثر بنانے کے لیے تا حال مندرجہ ذیل ادارے قائم کیے گئے ہیں۔

1۔ قومی سلامتی کونسل

2۔ وفاقی کابینہ

3۔ صوبائی گورنر

4۔ صوبائی کابینہ

5۔ قومی تعمیرِ نو بیورو

6۔ قومی احتساب بیورو

7۔ قومی نظام نگرانی

8۔ نیشنل کمانڈ اتھارٹی

بہتر اسلوبِ حکمرانی کی راہ میں درپیش رکاوٹیں اور اصلاح

پاکستان میں بہتر اسلوبِ حکمرانی کی راہ میں مندرجہ ذیل رکاوٹیں درپیش ہیں۔

تعلیم کی کمی

آزادی کے بعد اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی پاکستان میں تعلیم کی کمی ہے۔ جس کی وجہ سے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ آخری معاشی جائزے (Economic Survey) کے مطابق پاکستان میں 58% لوگ خواندہ ہیں۔ یہ شرح بین الاقوامی اصولوں کے مطابق بہت کم ہے۔

معیاری منصوبہ بندی کا فقدان

پاکستان میں نہ صرف سیاست کے میدان میں تجربات ہوتے رہے ہیں بلکہ یہاں معاشی منصوبہ بندی بھی ناقص رہی ہے۔ جس کا اثر عوام اور حکمرانوں دونوں پر پڑا۔ جس کے نتیجے میں فلاحی ریاست کا تصور ماند پڑ گیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TO-SEE AHMAD-03499815886

پارٹیوں کی تعداد میں اضافہ

پاکستان میں نہ صرف سیاسی پارٹیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے بلکہ پرانی پارٹیاں بھی مختلف وجوہات کی بناء پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ سیاسی لیڈر عوام کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی نہیں لیتے، جس کا نتیجہ تمام عوام کو بھگتنا پڑتا ہے۔

وفاقی اصولوں سے انحراف

پاکستان ایک وفاقی مملکت ہے لیکن حکمران طبقہ آئین کے مطابق وفاقی اصولوں سے انحراف کرتا رہا اور بجائے وفاقی جمہوری اصولوں کو مؤثر اور فعال بنانے کے ہر حکمران اپنے سیاسی اور ذاتی مقاصد کے لیے آئین اور حکومت کو استعمال کرتا رہا۔ جس سے ملک میں افراتفری کی فضا پیدا ہوتی رہی۔

مذہبی انتہا پسندی

پاکستان میں کچھ عرصے سے مذہبی انتہا پسندی بڑھ رہی ہے۔ جس کی وجہ سے فرقہ واریت نے زور پکڑا ہے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے ملک سیاسی اور معاشی طور پر کمزور ہوتا چلا گیا۔

قانون کی پاسداری نہ کرنا

اصولی طور پر قانون کی نظر میں تمام لوگ یکساں ہوتے ہیں لیکن ہمارے ملک میں عملی طور پر انصاف کا حصول اور قانون کی پاسداری بڑی مشکل بات ہے۔ عدالتی نظام نہایت ہی پیچیدہ اور مہنگا ہے۔ جس میں پیسے اور وقت کا کافی ضیاع ہوتا ہے۔

تدارک

بہتر اسلوبِ حکمرانی کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03365885

قانون کی حکمرانی

بہتر اسلوبِ حکمرانی کے لیے اولین شرط قانون کی حکمرانی ہے۔ ملک میں قانون نہ صرف زبانی و کتابی حد تک بلکہ عملی طور پر بھی سب کے لیے یکساں ہو اور قانون کی نظر میں سب برابر ہوں۔ امیر و غریب، آقا و غلام، مرد و عورت اور اقلیتوں کے لیے اگر ملک میں ایک قسم کا قانون ہو اور اُس پر سختی سے عمل بھی ہو تو تب ملک میں انصاف کا بول بالا ہوگا اور خوشحالی آئے گی۔

عوام کی شمولیت

عوام کی شمولیت کے بغیر جمہوری نظام کا تصور پورا نہیں ہوسکتا کیونکہ جمہوری نظام کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس نظام میں عوام حکومت کرتے ہیں۔ ضروری ہے کہ حکومت اور حکمرانی کے تمام معاملات میں عوام شریک ہوں اور اپنے متعلق فیصلے کرنے میں اُن کی رائے شامل ہو۔

عہدے اور اختیار کا آئینی اور قانونی جواز

جمہوری نظام کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ حکومت عوام کی نمائندگی سے بنتی ہے۔ اس میں نہ فوجی بغاوت اور نہ انقلابات کا ڈر رہتا ہے۔ اس نظام میں آئین کے مطابق اقتدار ایک سے دوسرے کو منتقل ہو جاتا ہے اور اس طرح جمہوری ادارے مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جاتے ہیں۔

احتساب

بہتر اسلوبِ حکمرانی کے لیے مسلسل احتساب ضروری ہے۔ حکمران طبقے سے لے کر نچلے درجے کے سرکاری ملازمین تک کو کسی نہ کسی صورت میں احتساب کے عمل سے گزرنا چاہیے تاکہ رشوت، اقربا پروری، اختیارات کے ناجائز استعمال کے رجحانات کو ختم کیا جا سکے چنانچہ احتساب کے عمل کو شفاف اور سیاسی وابستگی سے پاک رکھنا ہوگا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886

مردم شماری

فلاحی ریاست میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت اقدامات کرتی ہے اور مختلف منصوبوں کی تشکیل کی جاتی ہے۔ منصوبہ بندی کے لیے مردم شماری اولین شرط ہے کیونکہ اس طرح سے وسائل کو نہ صرف صحیح طریقے سے استعمال میں لایا جاسکتا ہے بلکہ آبادی اور وسائل میں ایک تناسب بھی رکھا جاسکتا ہے۔

شفاف کارکردگی

بہتر اسلوبِ حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ حکومت کے ہر ادارے کی کارکردگی کو شفاف رکھا جائے۔ کوئی بھی منصوبہ عوام سے مخفی نہ رکھا جائے۔ اس طرح سے حکومت کے ہر منصوبے میں عوام کی رضا اور منشا کو احسن طریقے سے شامل کیا جاسکتا ہے۔

فوری اور سستا انصاف

ایک فلاحی ریاست میں انصاف کا بول بالا ہونا چاہیے۔ کیونکہ عوام کو زندگی کے ہر شعبے میں انصاف دلانا حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ حکومت کو ایسے اقدامات کرنے چاہئیں کہ انصاف فوری اور سستا میسر ہوسکے۔ جتنا انصاف آسانی سے ملے گا اتنے ہی عوام خوشحال ہوں گے۔

پائیدار معاشی ترقی

پائیدار معاشی ترقی ایک اچھی حکومت اور بہتر حکمرانی کی ضامن ہوتی ہے۔ اگر ملک معاشی طور پر خوشحال ہوگا تو اس میں بسنے والے عوام بھی خوشحال ہوں گے اور اگر ملک معاشی طور پر آزاد نہ ہو تو سیاسی طور پر آزادی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

وسائل کی صحیح تقسیم

اگر ملک میں وفاقی طرزِ حکومت ہو تو وفاق کی تمام اکائیوں اور صوبوں میں وسائل کی صحیح تقسیم ہونی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

چاہیے اور کسی بھی حصے میں ایسے حالات نہیں ہونے چاہئیں جس سے اس میں احساسِ محرومی پیدا ہو۔

احساسِ ذمہ داری

اگر ملک کے تمام اداروں کی کارکردگی اچھی ہوگی اور نوکر شاہی سے لے کر حکمران طبقے تک سب میں یہ احساس ہوگا کہ وہ عوام کے خادم ہیں اور عوام کا حصہ ہیں تو ملک کے تمام اداروں اور افراد میں فطری طور پر ایک احساسِ ذمہ داری ابھرے گا اور اس سے عوام کی ترقی و بہبود میں مدد ملے گی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499816886

مشق

1. خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کریں

i. فلاحی ریاست کا تصور سب سے پہلے ________ نے پیش کیا۔

ii. حضرت عمرؓ نے سلطنت کو ________ انتظامی صوبوں میں تقسیم کیا۔

iii. سینیٹ کی کل نشستوں کی تعداد ________ ہے۔

iv. بہتر اسلوبِ حکمرانی کے لیے اولین شرط ________ کی حکمرانی ہے۔

v. نیا بلدیاتی و ضلعی نظام اپنی پہلی مقررہ معیاد ________ 2005ء میں مکمل کر چکا ہے۔

2. درست جواب کا انتخاب کریں۔

i. 1973ء کے آئین کے مطابق پاکستان کیسی مملکت ہے؟

(پارلیمانی، وحدانی، صدارتی، وفاقی)

ii. سینیٹ میں نشستوں کی کل تعداد کتنی ہے؟

(104، 90، 80، 70)

iii. قومی اسمبلی میں صوبہ خیبر پختونخوا کی کل کتنی نشستیں ہیں؟

(44، 55، 42، 40)

iv. قومی اسمبلی کے ممبران کا انتخاب کتنے سال بعد ہوتا ہے؟

(3 سال، 4 سال، 5 سال، 6 سال)

v. حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی سلطنت کو کتنے صوبوں میں تقسیم کیا تھا؟

(8، 7، 6، 4)

3. مختصر جوابات تحریر کریں۔

i. حضرت عمر فاروقؓ نے رفاہ عامہ کے لیے کون سے اقدامات کیے؟

ii. حضرت عمر فاروقؓ نے عمال کی تقرری کے لیے کیا طریقہ کار اپنایا؟

iii. صدرِ پاکستان کے خصوصی اختیارات کیا ہیں؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499815886

(iv) بہتر اسلوب حکمرانی کے اسلامی پس منظر پر روشنی ڈالیں۔

(v) پاکستانی آئین کے مطابق وزیر اعظم کی حیثیت اور اختیارات کے بارے میں بحث کریں۔

(vi) پاکستان میں بہتر اسلوب حکمرانی کی راہ میں کون سی رکاوٹیں ہیں؟

(vii) بہتر اسلوب حکمرانی کے لیے کیا اقدامات ضروری ہیں؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

باب ششم

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ثقافت (کلچر)

ثقافت کی تعریف

ثقافت کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ انسانی معاشرے کا وجود اور اُس کی ترقی ثقافت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ ثقافت ہی وہ بنیادی شے ہے جس سے ہم انسان اور حیوان میں تمیز کرتے ہیں۔ مختلف ماہرین عمرانیات نے اپنے اپنے نقطہء نظر سے ثقافت کی تعریفیں یوں کی ہیں۔

لینین کہتے ہیں۔ ''ثقافت ایک معاشرتی ورثہ ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل کو انفرادی اور اجتماعی تجربات سے منتقل ہوتا رہتا ہے۔''

ٹیلر کہتے ہیں۔ ''ثقافت سے مراد وہ تمام اشکال ہیں جو علم، عقیدے، فن، اَخلاق، قانون، دستور اور دوسری صلاحیتوں اور عادات سے معاشرے کو ایک طویل وقت میں حاصل ہوتی ہیں۔''

مندرجہ بالا تعریفوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ ثقافت زندگی میں پیش آمدہ مختلف سرگرمیوں کا ایک خاکہ، نمونہ اور طریقہ ہے جس پر معاشرہ عمل پیرا ہوتا ہے اور اسے ایک سے دوسری نسل کو منتقل کرتا ہے۔

ثقافت انفرادی نہیں بلکہ ایک اجتماعی عمل ہے۔ اجتماعی انسانی برتاؤ اور اس کی روزمرہ زندگی کو ایک مجموعے کی شکل میں ہم ثقافت کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے دُنیا کے مختلف خطوں میں وہاں کے باسی ایک جیسے رویوں، اَخلاق اور عمومی معاملات کے مالک ہوتے ہیں۔

ثقافت کی اہمیت

معاشرے کی زیادہ تر ثقافتی اقدار، افراد اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں پاتے ہیں، کچھ جدید ضروریات کے مطابق خود وضع کر لیتے ہیں اور کچھ دوسرے معاشروں سے مستعار لیتے ہیں۔ ثقافت ارتقا پذیر

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TO USEFF AHMAD 03 ... 5886

ہے۔ یہ یکسانیت کا شکار نہیں ہوتی۔ تبدیلی اس کا لازمی جزو ہے۔ مگر تبدیلی کے مزاج کا ثقافت کے مزاج سے لگاؤ ضروری ہے۔ اجنبی اور غیر مانوس رویوں اور اقدار کو ثقافت قبول نہیں کرتی۔ بلکہ ان میں کچھ ایسی تبدیلیاں کر لیتی ہے کہ وہ رویے اور اقدار اجنبی نہیں رہتے بلکہ ثقافت کے عمومی مزاج سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ ثقافت ایک مہینے یا ایک سال میں نہیں بنتی۔ یہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر نئے ثقافتی عناصر کا اضافہ کرتی رہتی ہے۔ ثقافت کا رشتہ ماضی کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔ ماضی کے بغیر ثقافت کو زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ ثقافت بدلتے ہوئے حالات میں انسان کو ذہنی طور پر مستعد کر دیتی ہے۔ انسان جدید ضروریات کے مطابق تبدیلیوں کو برداشت کرتا ہے اور خود کو نئے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ درحقیقت ثقافت اپنی تبدیلیوں کے ارتقا کا نام ہے۔

ثقافت کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ 1۔ مادی ثقافت 2۔ غیر مادی ثقافت

1. مادی ثقافت

مادی ثقافت میں انسانی ضروریات کے عوامل اور اشیاء شامل ہو جاتی ہیں۔ جیسے گھر، سڑک، گاڑی، پین، میز، ریڈیو سیٹ وغیرہ۔ یہ انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے ماحول کو کنٹرول کرتا ہے اور اپنی زندگی کو آرام دہ اور محفوظ بناتا ہے۔

2. غیر مادی ثقافت

غیر مادی ثقافت سے مراد وہ ثقافت ہے جس میں ہم غیر مادی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں ہم جسم سے زیادہ روح کو اہمیت دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر مذہب، فن، خیالات، دستور، اقدار، رویے، علم اور تہوار وغیرہ۔ یہ ساری چیزیں جسمانی یا ظاہری شکل میں نہیں ہوتیں۔ یہاں انسانی برتاؤ کا تعین ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک ثقافت پوری دنیا کی ہے جسے ہم انسانی ثقافت کہتے ہیں۔ اس ثقافت میں دنیا کے تمام انسانوں کی کوشش شامل ہے۔ ہماری وہ اقدار جو آفاقی درجہ رکھتی ہیں اس ثقافت میں شامل ہیں۔ اس لیے جہاں ظلم و بربریت ہوتی ہے اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ جہاں ضرورت پڑتی ہے لوگ ایک دوسرے کی مدد کو آ جاتے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03-0905886

ہیں۔لیکن پوری دُنیا کی ثقافت کو ہم مکمل ثقافت نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ مکمل ثقافت ایک چھوٹے سے خطے میں جنم لیتی ہے۔ وہاں کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالتی ہے۔اس لیے دُنیا کی ثقافت کے ساتھ ساتھ ہر براعظم کی اپنی اپنی ثقافت ہے۔ایشیائی اپنی ثقافت کی وجہ سے پوری دُنیا میں پہچانے جاتے ہیں۔ پھر ہر ملک کی اپنی ثقافت ہے، پاکستان کی بھی ایک اپنی منفرد ثقافت ہے۔ یہ ثقافت پاکستان کے وجود میں آنے سے بہت پہلے وجود میں آ چکی تھی۔

پاکستان قدیم تہذیبوں کا گہوارہ: پروفیسر ٹائن بی (Professor Toynbee) اور ثقافت و تہذیب۔

پروفیسر ڈاکٹر آرنلڈ ٹائن بی (Professor Dr Arnold Toynbee) تہذیبوں اور ثقافت کے حوالے سے ایک جانا پہچانا نام ہے اُس کی شہرہ آفاق تصنیف "تاریخ کا مطالعہ" (A Study of History) کی پہلی جلد 1934ء جبکہ بارہویں اور آخری جلد 1961ء میں شائع ہوئی۔ اپنی اس مشہور تصنیف میں اس نے 26 مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کا مطالعہ کیا ہے۔تہذیبوں کی ابتداء، ارتقاء اور زوال کے متعلق سوالات اٹھائے ہیں۔ پھر اس نے اپنے نظریے کے مطابق اُس کے جواب بھی دیے ہیں۔اُس کے سوالات اور جوابات درج ذیل ہیں۔

1۔ تہذیبوں کی ابتداء کیسے اور کیوں ہوئی؟

2۔ تہذیبیں کیوں اور کیسے ترقی کرتی ہیں؟

3۔ تہذیبوں کا زوال کیوں اور کیسے ہوتا ہے؟

ٹائن بی کے مطابق تہذیبیں اور ثقافت مشکل حالات میں جنم لیتی ہیں اور انھی حالات میں ترقی کرتی ہیں۔ جب کسی تہذیب کو کوئی چیلنج درپیش ہوتا ہے اور تہذیب اس کا مناسب اور موزوں جواب دیتی ہے، تو یہ تہذیب کی ترقی میں مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔لیکن اگر تہذیب اُس کا صحیح جواب دینے میں ناکام ہو جاتی ہے تو ایسی تہذیبیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔اس نظریے کو "للکار اور جواب" (Challenge and Response) کا نام دیا گیا ہے۔ٹائن بی کے مطابق رہن سہن کی سادگی، سائنس اور فنی تعلیم تہذیب کی ترقی کے لیے لازمی عناصر ہیں۔

ٹائن بی کے نظریہ تہذیب و ثقافت کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم پاکستان میں تہذیبوں کا جائزہ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03081515886

لیتے ہیں۔ پاکستان جس خطے میں واقع ہے اس کو قدیم زمانے میں ہند کہا جاتا تھا۔ ٹائن بی نے اُسے ابتدائی تہذیبوں کا گہوارہ گردانا ہے۔ مزید براں علم آثار قدیمہ اور علم عمرانیات بھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ دُنیا کی قدیم ثقافتیں جہاں مصر اور یونان میں تھیں وہاں ہندوستان میں بھی کئی قدیم ثقافتیں تھیں۔ جن میں زیادہ مشہور گندھارا اور وادی سندھ کی تہذیبیں ہیں۔

چین کا مشہور سیاح اور زائر ہیون سانگ، (جو ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں گندھارا آیا)، لکھتا ہے کہ گندھارا کی ریاست دریائے سندھ کے مغربی علاقوں یعنی وادی پشاور، سوات، بونیر اور باجوڑ کے علاقوں پر مشتمل ہے۔ گندھارا کا پہلی دفعہ ذکر ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''رگ وید'' میں کیا گیا۔ گندھارا ایران کے ہخامنشی بادشاہ ڈاریس (Darius) کی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ چھٹی صدی قبل مسیح سے لے کر پہلی صدی عیسوی تک اس کا دارالخلافہ ''پشکلاوتی'' (موجودہ چارسدہ) تھا جبکہ اس کے بعد پشاور اس کا دارالخلافہ بنا جو کہ اس زمانے میں کنیشکا پورہ کہلاتا تھا۔ عام خیال یہ ہے کہ ٹیکسلا بھی گندھارا کا دارالخلافہ رہا ہے لیکن یہ بات درست نہیں۔ اس پورے دور میں ٹیکسلا کبھی بھی گندھارا کا دارالخلافہ نہیں بنا تاہم یہاں بدھ مت کی تعلیمی یونیورسٹی کی وجہ سے ٹیکسلا نے بہت اہم مقام حاصل کر لیا۔

گندھارا فن جس پر کہ ہندوستانی، یونانی، رومن اور ایرانی فن کاروں کا بہت اثر تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں پروان چڑھا۔ اس فن کا مقصد بدھ مت کی تعلیمات کا پرچار کرنا تھا۔ جس کو بتوں کی شکل میں مختلف اشیاء سے بنایا گیا۔ ان بتوں کو خانقاہوں اور سٹوپا (Stupas) میں رکھا جاتا تھا۔ یہ سٹوپے پورے گندھارا میں ہزاروں کی تعداد میں بنائے گئے۔ (ان میں سے چند اب بھی سوات میں موجود ہیں)۔ ان میں گوتم بدھ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا۔ اس کے مختلف نمونے جو کہ تخت بھائی، سری بہلول (مردان) اور شاہ جی کی ڈھیری (پشاور) سے حاصل کیے گئے پشاور میوزیم میں نمائش کے لیے رکھے گئے ہیں۔ اگر ایک طرف پاکستان کے شمال مغربی علاقوں میں گندھارا تہذیب پروان چڑھی تو دوسری طرف پاکستان کے دوسرے علاقوں میں اور تہذیبیں رُوبہ ترقی رہیں۔ جن میں زیادہ مشہور پنجاب کی ہڑپہ اور سندھ کی موہنجوداڑو کی تہذیبیں ہیں۔

ثقافت میں سب سے بنیادی چیز زبان ہے۔ پاکستان میں پشتون، پنجابی، بلوچی، سندھی، براہوی، سرائیکی، پوٹھوہاری، کشمیری اور گوجری ثقافتیں مشہور ہیں۔ یہ وہ ثقافتیں ہیں جو زبان کی بنا پر مختلف نسبتی ناموں سے مشہور ہوئیں۔ کچھ ثقافتیں مذاہب کی بنا پر بھی وجود میں آئیں۔ یہاں ہم مختصراً چند ثقافتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOPSEEF AHMAD 03499 5886

پشتون ثقافت

خیبر پختونخوا صوبہ، وفاقی وصوبائی قبائلی علاقہ جات، بلوچستان کے چند اضلاع، میانوالی اور جنوبی اور مشرقی افغانستان میں جو ثقافت موجود ہے اسے پشتون ثقافت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پشتون ثقافت ان عادات واطوار کا مجموعہ ہے جو اس خطے کے لوگوں کی زندگی میں موجود ہے۔ جفاکشی، غیرت، مہمان نوازی، ہتھیاروں سے محبت، لوک گیت، فتح یابی ومحبت کی رومانوی داستانیں، نشانہ بازی، گھوڑ دوڑ، سخت کوشی، بزرگوں کی قدر وعزت، ناموس اور آزادی کی حفاظت اور سرکشی پشتون ثقافت کے بنیادی اجزا ہیں۔

پشتون ثقافت کے بنیادی اجزا ہیں۔

پنجابی ثقافت

پانچ دریاؤں کی سرزمین پنجاب برصغیر ہندوپاک کا زرخیز ترین علاقہ ہے۔ تقسیم ہند کے ساتھ پنجاب بھی دو حصوں میں تقسیم ہوا یعنی پاکستانی پنجاب اور بھارتی پنجاب۔ لیکن ثقافتی حوالے سے پنجاب دونوں طرف ایک جیسا ہی ہے۔ پنجاب میں بولی جانے والی زبان کو پنجابی کہتے ہیں۔ مجموعی طور پر پنجابی ثقافت میں میلے، تہوار، عرس، لڈی ناچ، گھڑسواری و دوڑ، بسنت، کھیل تماشے، صوفیاء سے محبت، لوک ادب سے عشق، خوش خوراکی، قصہ گوئی اور قصہ سننے کی بے تابی اب بھی موجود ہے۔ اس ثقافت میں لطائف، عوامی جملے اور بول چال اور داستان سرائی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔

سندھی ثقافت

قدیم موہنجوداڑو کا مسکن سندھ انسانی بودوباش کے حوالے سے پاکستان کا قدیم ترین علاقہ ہے۔ سندھ کے اکثریتی علاقوں میں سندھی زبان بولی جاتی ہے۔ زراعت اور ماہی گیری دو بڑے پیشے ہیں۔ قدیم وڈیرا نظام اب بھی اس خطے میں موجود ہے۔ یہاں کی ثقافت میں قدیمی اثرات زیادہ ہیں۔ کاروکاری کی رسم، قرآن مجید سے لڑکیوں کا نکاح، ملاکھڑا، بیلوں کی دوڑ، کلہاڑی کا بطور ہتھیار استعمال، خواتین کے لباس پر گلکاری، مردوں کی کلاہ ولنگی، اکثر مردوں کا لمبی لمبی مونچھیں رکھنا، دشمنیاں پالنا، مہمان نوازی، جرگہ نظام،

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-HOUSE OF AHMAD-03498158

زرعی اجناس کی غیر مساویانہ تقسیم، خواتین کا مخصوص لباس، خواتین میں چوڑیوں کی غیر معمولی مقبولیت اور دیہی علاقوں میں اب بھی جدید تعلیم کی مخالفت اس ثقافت کی چند نمایاں جھلکیاں ہیں۔

بلوچی ثقافت:

سنگلاخ پہاڑوں کے باسی بلوچ اپنی ثقافت کے لیے مشہور ہیں۔ قدیم روایات، سرداری نظام، شادی بیاہ اور خوشی کے مواقع کی خاص رسومات، لباس پر گلکاری، انواع و اقسام کی خاص بلوچی غذائیں، بندوق، تلوار اور خانہ بدوشی اس ثقافت کے بنیادی اجزاء ہیں۔ صوبہ بلوچستان میں یہ ثقافت اپنی تمام تر قدیمی اقدار کے ساتھ اب بھی ویسے ہی رائج ہے۔ بلوچی ثقافت پر ایرانی ثقافت کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ ان کی دستکاریوں اور ظروف میں بھی ایرانی اثرات نمایاں ہیں۔ جدید تعلیم سے دوری، ذرائع ابلاغ کے نہ ہونے سے بلوچی ثقافت میں اب بھی ایسے اجزاء موجود ہیں جو دوسری ثقافتوں میں اب ناپید ہیں۔

پاکستان کا ثقافتی ورثہ - اہم مقامات:

پاکستان کی سرزمین قدیم ثقافتوں اور تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے۔ جس میں وادی سندھ کی تہذیب (Indus Valley Civilization) اور گندھارا تہذیب (Gandhara Civilization) بہت ہی اہم ہیں۔

وادی سندھ کی تہذیب کے حوالے سے اہم ترین مقامات موہنجوداڑو اور ہڑپہ ہیں۔ ان مقامات کے مشاہدے سے پتا چلتا ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب شہری تھی۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے شہر وسیع اور گنجان آباد تھے۔ محلوں، گلی کوچوں اور بازاروں کی تعمیر و ترتیب میں کافی محنت سے کام لیا گیا تھا۔ گلیاں کشادہ تھیں۔ صفائی کا اعلیٰ انتظام تھا۔ گلیوں میں پانی کے نکاس کے لیے پختہ نالیاں تعمیر کی گئی تھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقے کے لوگ تہذیب یافتہ تھے۔ رہائشی مکانات کی تعمیر میں بھی بڑا سلیقہ نظر آتا ہے۔ بیرونی دیواروں کے علاوہ فرش بھی پختہ اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ گھروں میں تازہ ہوا اور روشنی کا معقول انتظام تھا۔ موسم کی شدت سے بچنے کے لیے گھروں کے نیچے تہہ خانے بنائے جاتے تھے۔ جن میں روشنی اور ہوا کا مناسب بندوبست کیا جاتا تھا۔ گھر کے غسل خانے بہت کشادہ اور صاف تھے۔ پینے کے پانی کے لیے کنوئیں موجود تھے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03-0915886

گندھارا تہذیب کے اہم مقامات پشاور، چارسدہ، سوات اور ٹیکسلا رہے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے چارسدہ اور پشاور گندھارا دور کے دارالخلافے رہے ہیں۔ گندھارا تہذیب کی شہرت کی بنیادی وجہ فنونِ لطیفہ بالخصوص سنگ تراشی میں کمال ہے۔ جسے پوری دنیا میں سراہا گیا۔ یہ علاقہ کچھ عرصہ تک پہلے ایران اور پھر یونان کے زیرِ اثر رہا۔ اس لیے ہندی، ایرانی اور یونانی تہذیبوں نے مل کر یہاں ایک ایسی عظیم تہذیب کو جنم دیا جس میں ساری متمدن دنیا کی خصوصیات جمع ہوگئی تھیں۔

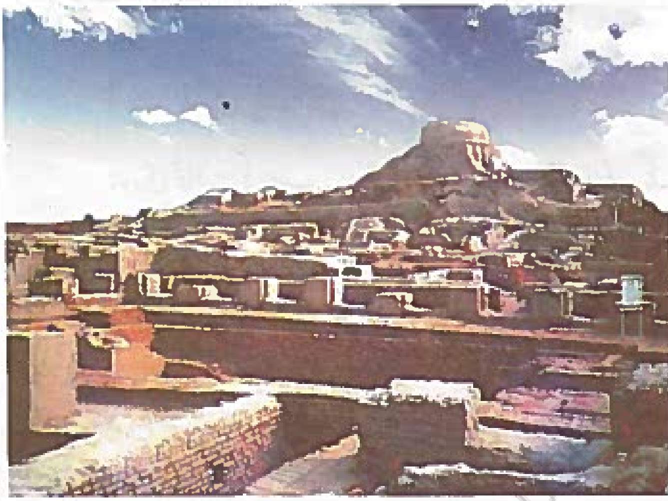

گندھارا کا ثقافتی مرکز ٹیکسلا تھا۔ یہ شہر علم وفن کا مرکز تھا۔ یہاں کی درسگاہیں مشہور تھیں۔ جہاں دیگر ممالک سے بھی طلبہ علم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے۔ گندھارا کے علاقے سے سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کے بے شمار نادر نمونے ملے ہیں جو اس وقت ٹیکسلا، پشاور اور سوات کے عجائب گھروں میں نمائش کے لیے رکھے گئے ہیں۔

درج بالا مقامات کے علاوہ پاکستان کے طول وعرض میں بے شمار تاریخی عمارتیں بھی موجود ہیں جو ہمارے قیمتی تاریخی ورثے کا حصہ ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:-

1۔ قلعہ بالا حصار اور مسجد مہابت خان (پشاور)

2۔ بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ اور شالامار باغ (لاہور)

3۔ جامع مسجد (ٹھٹھہ)

پاکستانی ثقافت کی مشترکہ خصوصیات

آج پاکستانی ثقافت کے جو خدوخال ہمیں نظر آتے ہیں۔ وہ ہمارے ہزاروں سالہ ثقافتی ورثے کا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUFEEQ AHMAD-03409615066

حصہ ہیں۔ ہمارے رُجحانات، فنون، دست کاریوں، رہن سہن، لباس، خوراک وغیرہ میں بہت کچھ اب بھی ایسا ہے جسے سمجھنے اور پرکھنے کے لیے ہمیں اپنے ماضی میں بہت پیچھے جانا پڑتا ہے، مگر پچھلے ایک ہزار سال سے مذہب اسلام نے ہماری تہذیب و ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ہماری ثقافت کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ مذہبی یک جہتی

ہماری ثقافت کی سب سے بڑی خاصیت اس کا اسلامی رنگ ہے۔ ہماری آبادی کی غالب اکثریت مسلمان ہے اور یہ ایک مضبوط کڑی ہے جو ہمیں بھائی چارے، محبت اور دوستی کے لازوال رشتوں میں باندھے ہوئے ہے، کیونکہ اسلام نسلی برتری، ذات پات اور علاقائی دھڑے بندیوں کی نفی کرتا ہے۔ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں کے ساتھ آزادانہ میل جول اور رشتہ داریاں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں جملہ اقلیتوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر طرح کی مراعات اور آزادی حاصل ہے۔

2۔ مخلوط ثقافت

پاکستانی ثقافت ایک مخلوط ثقافت ہے۔ مختلف زاویوں سے دیکھنے سے اس کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ مقامی قدیم باشندوں کے علاوہ یہاں عربی، ایرانی، تورانی اور یونانی نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ ہر گروہ اپنے ساتھ اپنے علاقائی اور نسلی رسم و رواج، رہن سہن کے طریقے، لباس اور زبان لے کر آیا تھا۔ اس گروہی ثقافت نے دوسرے گروہوں پر اثر ڈالا۔ ان تمام ثقافتی دھاروں کا مرکز پاکستانی ثقافت ہے۔

3۔ مرد و عورت کا مقام

پاکستانی معاشرے میں مرد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ نسل باپ کے نام سے چلتی ہے مگر اس کے ساتھ پاکستانی معاشرے میں عورت کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ گھر کے اندر اُسی کی حاکمیت ہے۔ گھر کی دیکھ بھال اور اولاد کی تربیت اُسی کی ذمہ داری ہے۔ عورت کو تعلیم حاصل کرنے، جائیداد بنانے، کاروبار کرنے اور وراثت میں اسلامی قانون کے مطابق حصہ طلب کرنے کا پورا پورا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499815886

حق حاصل ہے۔ شادی میں اس کی رضامندی لازمی ہے۔ پاکستانی ثقافت کی بنیاد چونکہ اسلام ہے۔ اس لیے مرد اور عورت کے حقوق کا تعین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی کیا جاتا ہے۔

4۔ معاشرت

پاکستانی معاشرت بنیادی طور پر سادہ اور حیادار ہے۔ لوگ عام طور پر روایت پسند ہیں اور ان کے رسم و رواج سادہ اور دلچسپ ہیں۔ زیادہ تر لوگ مشترکہ خاندانی نظام کے زیرِ اثر زندگی گزارتے ہیں۔ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے پیار کیا جاتا ہے۔ لوگوں میں رواداری اور بردباری کا جذبہ موجود ہے۔ خواتین کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ زیادہ تر آبادی دیہات میں ہے جہاں لوگ کھیتی باڑی کر کے اور مویشی پال کر زندگی گزارتے ہیں۔ شہروں میں اکثر لوگ ملازمت پیشہ اور تاجر ہیں۔ شادی بیاہ اب بھی روایتی انداز میں ہوتے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03409825886

5۔ لباس

پاکستان کا قومی لباس نہایت سادہ اور باوقار ہے۔ مرد شلوار قمیص یا کرتہ شیروانی اور ٹوپی یا پگڑی پہنتے ہیں۔ عورت کے لیے شلوار قمیص اور دوپٹہ عام لباس ہے۔ علاوہ ازیں ہر علاقے کا اپنا لباس ہے جو بعض علاقوں میں نہایت خوش رنگ، بارعب اور باوقار ہونے کے ساتھ ساتھ پہننے والے کے اعلیٰ ذوق کا ضامن بھی ہے۔ علاقائی لباسوں میں شلوار قمیص، پگڑی اور ٹوپی بڑی حد تک قدرِ مشترک ہے۔ کڑھائی والا لباس بھی عورتوں میں مقبول ہے، البتہ ہر علاقے کے لباس کی کانٹ چھانٹ، رنگ اور ڈیزائین مخصوص ہوتے ہیں مگر تمام تر لباس حیادار اور پردے کے تقاضوں کے مطابق ہوتے ہیں۔

6۔ خوراک

پاکستان میں عام لوگوں کی روزمرہ کی خوراک نہایت سادہ ہے۔ گندم کی روٹی یا چاول کے ساتھ گوشت، دال، سبزیوں کی ترکاری استعمال کرتے ہیں اور پینے کے لیے دودھ، لسی، چائے، قہوہ اور سادہ پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ شادی بیاہ اور دعوتوں میں پرتکلف ضیافتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ علاقائی موسمی

تغیر وتبدل کے زیرِ اثر مختلف علاقوں میں بعض غذائیں دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ مقبول ہیں۔ مثال کے طور پر اہل خیبر پختونخوا چونکہ سرد اور خشک علاقے میں رہتے ہیں اس لیے یہاں گوشت کا استعمال زیادہ کیا جاتا ہے۔ سندھ اور پنجاب میں دودھ، دہی، گھی، سبزیاں وغیرہ پسند کی جاتی ہیں۔ بلوچستان میں دنبے کا گوشت، پھل اور خشک میوہ جات ہر دلعزیز ہیں۔

7۔ فنِ تعمیر

پاکستان کے فنِ تعمیر کے پیچھے ہزاروں سالوں کی روایات کارفرما ہیں۔ یہاں کے لوگ ہمیشہ سے ماہرِ تعمیرات رہے ہیں۔ موہنجوداڑو ٹیکسلا کی شہری تقسیم و تنظیم اور خانقاہوں کی تعمیرات، اسلامی دور کے باغات، محلات، قلعے، مقبرے اور مسجدیں اور ان کے سجاوٹی نقش و نگار دیکھ کر ان لوگوں کی تعمیرات میں فنی مہارت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ موہنجوداڑو اور ٹیکسلا کے شہر، تخت بھائی اور جولیاں کی خانقاہیں، اٹک اور رہتاس کے قلعے، لاہور کا قلعہ اور باغات، لاہور اور ٹھٹھہ کی بادشاہی مساجد، شاہ رکن عالم (ملتان)، جام نظام الدین (مکلی) اور جہانگیر کا مقبرہ (لاہور) ہمارے فنِ تعمیر کے بہترین نمونے ہیں۔

8۔ فنون

کئی فنون میں اہلِ پاکستان نے کمال حاصل کر رکھا ہے۔ دھاتوں سے مختلف قسم کے زیورات، برتن اور آلات بنانے کا فن اس خطے میں رہنے والوں نے پانچ چھے ہزار سال پہلے سیکھ لیا تھا۔ البتہ لوہے کا استعمال بعد میں 1000 قبل مسیح میں شروع ہوا۔ موہنجوداڑو کے لوگ کانسی کو پگھلا کر ڈھلائی کے فن، پتھر تراش کر مختلف اشیاء بنانے اور مہریں کندہ کرنے کے فن سے بخوبی آشنا تھے۔ سن عیسوی کی پہلی پانچ صدیوں میں شمالی پنجاب اور صوبہ خیبر پختونخوا (قدیم گندھارا) میں سنگ تراشی کا فن اپنے عروج پر تھا۔ یہ فن بدھ مت کے عروج کے زمانے میں یونانی اور مغربی ایشیائی اثرات کا حامل ہے۔ اب بھی اس علاقے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو سنگ تراشی کا کام بڑی خوبصورتی سے کر لیتے ہیں۔

اسلام کا عمل دخل بڑھا تو فن کے بارے میں ترجیحات، میلانات اور رجحانات بھی بدلنے لگے۔ بت تراشی کی جگہ عمارتی سنگ تراشی نے لے لی۔ چوکنڈی اور مکلی (سندھ) کے بے شمار مقبرے اس فن کے بہترین

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED-03499815886

نمونے ہیں۔ مسلمانوں بالخصوص مغلوں نے ان علاقوں میں جن پر آج پاکستان مشتمل ہے اپنی عمارتوں کی بیرونی سطح کو روشن ٹائیلوں اور سجاوٹی اینٹوں سے سجایا۔ عمارتوں کے اندرونی حصوں کو تصویروں اور بتوں سے سجانے کی بجائے دیواروں کو رنگوں سے ہندسی اشکال اور بیل بوٹوں والے پیچیدہ ڈیزائنوں سے آراستہ کیا۔ لاہور، ملتان، اُچ شریف اور ٹھٹھہ کی بے شمار عمارتیں مسلمانوں کے اسی جمالیاتی ذوق کا مظہر ہیں۔

ہمارے علاقے کے رہنے والے تصویر کشی کے فن سے قدیم زمانے سے واقف چلے آرہے ہیں۔ مغلیہ دور میں تو چھوٹی تصویریں بنانے کا فن اپنے انتہائی عروج پر تھا اور اس کے مشہور مراکز میں سے ایک لاہور بھی تھا۔ عہدِ مغلیہ کے زوال کے بعد اور سکھوں کے دور میں یہ فن لاہور اور پنجاب کے پہاڑی علاقوں میں سمٹ کر رہ گیا۔ موجودہ دور میں بھی کئی فن کار اس فن کو زندہ رکھنے میں کوشاں ہیں۔ اس سلسلے میں عبدالرحمٰن چغتائی کی کاوشوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ دیگر چھوٹے فنون مثلاً زیورات سازی، سکہ سازی اور قیمتی و نیم قیمتی پتھروں کے زیورات بنانے میں ہمارے فن کار ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ پشاور، ٹیکسلا، لاہور، حیدرآباد اور کراچی کے عجائب گھروں میں رکھے ہوئے زیورات اور مہریں ان کے فن کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں لکڑی پر کندہ کاری کا کام قدیم زمانے سے اب تک مشہور ہے۔ اس فن کے مشہور مراکز چینیوٹ، ہالہ، کشمور، ملتان، جھنگ، بھیرہ، پشاور، سوات، دیر اور کشمیر ہیں۔ اس کے علاوہ فرنیچر پر کندہ کاری، پچی کاری اور لاکھ کا کام آج بھی ترقی کر رہا ہے۔

9۔ دست کاریاں

دست کاریوں کا ہنر پاکستانیوں کو ہزارہا سال کے ورثے میں ملا ہے۔ پاکستان کے دست کار نہایت ماہر، چابک دست اور جمالیاتی ذوق کے حامل ہیں۔ زیادہ تر دست کاریوں کا ہنر نسل در نسل ایک ہی خاندان کے افراد کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔ دست کاریوں کا زیادہ تر کام عورتیں کرتی ہیں۔ دست کاریوں میں قدیم ترین مٹی کے ظروف اور چھوٹی چھوٹی مورتیاں (گھوگھوڑے) بنانا ہے۔ یہ فن کم از کم آٹھ دس ہزار سال پرانا ہے۔ مسلمانوں نے اس فن میں یہ اضافہ کیا کہ رنگ دار ظروف کے ساتھ چمکیلی ٹائلیں بنانے کے ہنر کو رواج دے کر عروج پر پہنچایا۔ آج کل گلدار روغنی ظروف بنانے کا فن صرف ہالہ (سندھ) اور ملتان (پنجاب) تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ مغل دور میں بھی یہ ہنر زیادہ تر پنجاب اور سندھ تک محدود رہا۔ عام مٹی کے ظروف کے لیے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD

گجرات (پنجاب) شہرت دوام حاصل کر چکا ہے، اور آج اسی علاقے میں چینی ظروف سازی کے بیشتر کارخانے کام کر رہے ہیں۔

پیتل، تانبے اور کانسی کے برتنوں پر کندہ کاری کا بہترین کام ہمیشہ کی طرح اب بھی پشاور میں ہوتا ہے۔ خوبصورت زیور بنانے کا فن بھی اہلِ پاکستان کو ورثے میں ملا ہے۔ کبھی ٹیکسلا سونے اور چاندی کے زیورات کے لیے بہت مشہور تھا۔ اس کے عجائب گھر میں رکھے ہوئے کئی ہزار سال پرانے زیورات اہلِ ذوق کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ آج کل قریباً ہر بڑے شہر میں نازک سے نازک اور نفیس ترین زیورات بنانے والے موجود ہیں۔ چاندی کے زیور بنانے میں آج بھی پشاور، ملتان، بہاولپور اور حیدر آباد کے سُنار بڑے ماہر مانے جاتے ہیں۔

قالین بافی کا فن بھی ہمارے ہاں قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ مغلیہ دور میں لاہور کی قالین بافی کی فیکٹری دنیا بھر میں مشہور تھی۔ پنجاب اور بلوچستان میں آج بھی یہ ہنر زندہ و تابندہ ہے۔ سندھ اور بلوچستان کے لوگ بکری کے بالوں سے قالین بناتے ہیں۔ کشمیری لوگ روایتی نمدے بنانے میں ماہر ہیں اور اہلِ خیبر پختونخوا افغانی طرز کے قالینوں اور غالیچوں کو پسند کرتے ہیں۔

اہلِ پاکستان کو جو دیگر ہنر ورثہ میں ملے ان میں کشیدہ کاری، سوزن کاری اور پیچ ورک کے ہنر بھی شامل ہیں۔ بلوچستان اور سندھ کی خواتین اپنی قمیصوں، دوپٹوں، اوڑھنیوں، گدوں اور سرہانوں کے غلافوں پر یہ کام بڑی مہارت، صفائی اور خوبصورتی سے کرتی ہیں۔ گلکاری وکشیدہ کاری اہل پنجاب اور خیبر پختونخوا کے بعض علاقوں کا ایک قدیم ہنر ہے۔ اس میں کھدر کی چادر پر خالص ریشم کے دھاگوں سے کڑھائی کا کام بڑی خوبصورتی سے کیا جاتا ہے۔ ہزارہ اور سوات کے علاقوں میں یہ کام اب بھی مقبول ہے۔ کشمیری شالوں پر کشیدہ کاری کا کام صدیوں سے کشمیری مسلمانوں کا طرۂ کمال رہا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی بہت سے کشمیری ہنر مند اس فن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس طرح ملتان میں اونٹ کی کھال پر کام، خیبر پختونخوا کی کڑھائی والی کرتیاں، سندھ، پنجاب، اور خیبر پختونخوا میں ہاتھ سے چھپائی والے کپڑے، چنیوٹ میں لکڑی کے فرنیچر پر کندہ کاری اور کشمیر و ڈیرہ اسماعیل خان میں لاکھ کا کام وغیرہ۔ الغرض پاکستان مختلف دست کاریوں کا گہوارہ ہے اور اہلِ فن ایسے ایسے خوبصورت دست کاری کے نمونے بناتے ہیں کہ وہ لوگوں کا دل موہ لیتے ہیں۔ دست کاریوں کے بین الاقوامی میلوں میں پاکستان کی دستکاریاں خاص توجہ کا مرکز بنتی ہیں۔

10۔ کھیل تماشے اور میلے

کھیل تماشے اور میلے ٹھیلے پاکستانی ثقافت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ملک کے ہر حصے میں میلے یا تہوار، موسموں اور فصلوں کے حساب سے یا بزرگانِ دین کے عُرس کے موقعوں پر لگتے ہیں۔ ان میلوں میں ملکی ثقافت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ دور دور سے لوگ ان میلوں میں شامل ہوتے ہیں۔ عام دنوں کے علاوہ ان میلوں ٹھیلوں میں بھی کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں اور جیتنے والوں کو انعامات دیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں بہت سے روایتی کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ ان میں کشتی، بیل دوڑ اور کبڈی کافی مقبول ہیں۔ سندھ میں ملاکھڑا عوامی کھیل سمجھا جاتا ہے۔ یہ کبڈی کھیلنے کا خاص انداز ہے۔ پاکستان کی ہاکی ٹیم کا دنیا کی چند مشہور ٹیموں میں شمار ہوتا ہے۔ فٹ بال اور والی بال قریباً ہر گاؤں اور قصبے میں کھیلے جاتے ہیں۔ سکواش میں بھی پاکستان کا دُنیا میں ایک نام ہے۔ اسی طرح پاکستان کی کرکٹ ٹیم کا دُنیا کی مشہور ٹیموں میں شمار ہوتا ہے۔ ہاکی، کرکٹ اور سکواش میں پاکستان نے بہت سے نامور کھلاڑی پیدا کیے ہیں۔

11۔ شادی بیاہ کی رسمیں:

شادی بیاہ کی رسموں کے سلسلے میں پاکستانی ثقافت اپنے اندر ایک انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ اس پر اسلامی رنگ صاف نظر آتا ہے۔ اسلام میں شادی کا آغاز نکاح جیسی پاکیزہ رسم سے ہوتا ہے۔ اسلام میں نکاح کو ایک عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ ملک کے ہر حصے میں اس خوشی کے موقع پر لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق خوشی مناتے ہیں۔ پر تکلف کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ لوگ، بالخصوص بچے اور خواتین خوش نما رنگوں والے زرق برق لباس زیب تن کرتے ہیں۔ خوب چہل پہل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ شادی والے گھر کی طرف سے گزرنے والے شخص کو بغیر پوچھے یا بتائے علم ہو جاتا ہے کہ یہاں شادی کی تقریب ہو رہی ہے۔

اسلام نے ہمیں شادی جیسے خوشی کے موقع پر بھی انتہائی سادگی اپنانے کا درس دیا ہے مگر اس خطے کے لوگوں پر دیگر قوموں کی رسمیں بھی اثر انداز ہوئی ہیں۔ جس کے نتیجے میں بعض ایسی رسمیں بھی جگہ پا چکی ہیں جنھیں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ مثلاً جہیز کی نمائش، محفلِ موسیقی کا انتظام۔ البتہ لوگوں میں تعلیم

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUFEER AHMAD-03498119880

اور اسلامی شعور کی وجہ سے اب انفرادی اور حکومتی سطح پر بھی کوششیں جاری ہیں کہ ان بری رسموں سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ جہیز کے سلسلے میں تو جہیز آرڈی نینس (Dowry Ordinance) بھی جاری ہو چکا ہے۔ شادی کے اخراجات میں ہاتھ بٹانے کی غرض سے 'سلامی' اور 'نیوتا' وغیرہ کی رسومات بھی رائج ہیں۔

12۔ پیدائش اور موت کی رسمیں

پیدائش کے وقت مٹھائی وغیرہ تقسیم کر کے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نومولود کے کان میں اذان دی جاتی ہے تاکہ شروع سے ہی اُس کے دماغ پر کندہ ہو جائے کہ اللہ واحد و یگانہ ہے اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ عزیز و اقارب اور دوست احباب اس خوشی کے موقع پر مبارک باد کہنے کے لیے اُس گھر جاتے ہیں جہاں بچہ پیدا ہوا ہو۔ بیشتر لوگ نومولود کو روپے پیسے یا دیگر تحائف بھی دیتے ہیں۔

اگر کسی کے ہاں کوئی فوت ہو جائے تو اس صورت میں بھی ایک خاص طریقہ کار اپنایا جاتا ہے۔ تمام عزیز و اقارب اور محلے دار غم میں شریک ہوتے ہیں۔ تجہیز و تکفین کے انتظامات اکثر و بیشتر عزیز و اقارب ہی کرتے ہیں۔ گھر والوں اور دور سے آئے ہوئے مہمانوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام بھی عزیز و اقارب اور ہمسائے کرتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کا آپس میں میل جول اور تعاون بڑھتا ہے۔ جس قدر ممکن ہو زیادہ سے زیادہ لوگ جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔ بعد میں بھی لوگ غم میں شرکت کے اظہار کے لیے سوگوار گھر میں جا کر دُعائے مغفرت کرتے ہیں اور پسماندگان کو ہر طرح کی امداد و تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔ دوسروں کے دُکھ درد میں شرکت سے معاشرے میں بھائی چارے اور تعاون کے جذبات بڑھتے ہیں۔

"پاکستانی بنو پاکستانی مصنوعات خریدو"

جدید دور کے ترقی یافتہ ذرائع ابلاغ کی وجہ سے دُنیا ایک بین الاقوامی گاؤں (Global Village) کا روپ دھار چکی ہے۔ ان حالات میں علاقائی اور قومی ثقافتوں کو دُنیا کی ترقی یافتہ ثقافتوں کی یلغار کا سامنا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات میں حکومت پاکستان نے ملکی ثقافت اور اقدار کو تقویت دینے کے لیے "پاکستانی بنو اور پاکستانی مصنوعات خریدو" (Be Pakistani, Buy Pakistani) کا نعرہ بلند کیا تاکہ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEF AHMAD 03 ... 9815886

نہ صرف ملکی اقدار و ثقافت کو قائم رکھا جا سکے بلکہ پاکستانی معیشت بھی ترقی کر سکے۔

صنفی توازن - سوال اور مسائل

پاکستانی معاشرہ مرد کی سربراہی پر قائم ہے۔ گھر اور معاشرے کے تمام اہم فیصلے مرد کرتے ہیں۔ اگرچہ عورت کو گھر میں مکمل آزادی حاصل ہے لیکن پھر بھی مردوں کی صلاح کے بغیر فیصلے نہیں کیے جاتے۔ روایتی اقدار کے تحت مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ تعلیم اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات سے روایتی اقدار میں بھی تبدیلیاں آ رہی ہیں چونکہ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ جہاں تعلیم کم ہے اور لوگ روایت پسند ہیں وہاں پر اب بھی خواتین کو زیادہ تر مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مسائل میں سے چند اہم مسائل درج ذیل ہیں:-

1. تعلیم سے محرومی
2. غذا کی کمی یا ناقص غذا
3. حفظان صحت سے لاعلمی
4. روزگار کے ناموافق حالات
5. غیرت کے نام پر قتل وغیرہ۔

دیہاتوں میں اب بھی زیادہ تر خواتین کو ان مسائل کا سامنا ہے مگر شہری علاقوں میں جدید تعلیم کے حصول نے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔ عورتوں کے استحصال کے خاتمے کے لیے حکومت بھی مختلف قسم کے اقدامات اٹھا رہی ہے۔ آئین میں واضح طور پر لکھ دیا گیا ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں اور سب کو بنیادی حقوق بلا تفریق حاصل ہوں گے۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق

مذہب اسلام میں مرد اور عورت کے مابین صنف کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حقوق اور ذمہ داریاں عطا کی ہیں۔ چونکہ دونوں صنفوں کی جسمانی ساخت مختلف ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق چند ذمہ داریوں کی بجا آوری میں فرق رکھا ہے ورنہ تو دونوں صنفوں کو اللہ تعالیٰ نے برابر رکھا ہوا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03409815886

ہے۔قرآن مجید کی سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

''سچے اور ایماندار مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے برابر کے دوست ہیں۔ جو حلال ہیں یہ اُن کی ہدایت کرتے ہیں اور جو حرام ہیں اُن سے منع کرتے ہیں۔ یہ اپنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان پر اللہ کا رحم ہوگا۔ وہ طاقتور اور دانا ہے۔'' (التوبہ 9 - 71)

قرآن مجید کی ایک اور سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہوا ہے۔

''میں کسی مرد اور عورت کو اُس کی محنت کا صلہ دینے سے انکار نہیں کروں گا۔ تم ایک دوسرے کی پیداوار ہو۔'' (آلِ عمران 3 - 195)

اسلام کی ان ہی تعلیمات کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دور میں خواتین مذہبی اور دُنیاوی دونوں قسم کی تعلیم حاصل کر رہی تھیں، نہ صرف یہ بلکہ مردوں کے شانہ بشانہ کھیتی باڑی، کاروبار اور دوسرے ذرائع روزگار میں سرگرم عمل تھیں۔ اُس وقت خواتین نے غزوات میں بھی صحابہؓ کا ہاتھ بٹایا اور زخمیوں کی تیمارداری کی۔

امام ابنِ قیم نے مسلمان مردوں اور خواتین ماہرینِ قانون کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ اس فہرست پر نظر دوڑانے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں بہت سارے نام خواتین ماہرینِ قانون کے بھی ہیں۔ ان میں چند مشہور درج ذیل ہیں:-

حضرت عائشہؓ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت اُمِ حبیبہؓ، حضرت لیلیٰؓ بنتِ قائم، حضرت اُم شریکؓ، حضرت خولہؓ بنت اُمِ دَردا، حضرت عتیقہ بنتِ زیدؓ، حضرت اسماء بنتِ ابوبکرؓ، سہلہ بنتِ سہیلؓ، جویریہؓ، میمونہؓ، فاطمہؓ بنتِ قیس، اُم ایمنؓ، اُم یوسفؓ وغیرہ وغیرہ

اسلامی تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ خواتین نہ صرف تعلیم حاصل کرنے اور مختلف قسم کے پیشے اپنانے میں آزاد تھیں۔ بلکہ اُن کو اہم سرکاری عہدوں پر بھی تعینات کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے اہم مثال شفہ بنتِ عبداللہؓ کی دی جاسکتی ہے۔ جس کو خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے پرائس کنٹرول آفیسر (Officer Price Control) مقرر کیا تھا۔

اسلام کی رو سے خواتین کی اپنی ایک انفرادی حیثیت ہے۔ اُن کو مردوں کے برابر مذہبی و دُنیاوی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886

تعلیمات حاصل کرنے، حصولِ روزگار، کاروبار چلانے، کسی چیز کی ملکیت حاصل کرنے اور اُس سے فائدہ حاصل کرنے اور کسی چیز میں اپنی صلاحیتوں کو منوانے کی بھرپور آزادی دی گئی ہے۔ بلکہ بعض چیزوں میں تو خواتین کو مردوں سے زیادہ حقوق دیے گئے ہیں۔ مثلاً اسلام کی رو سے گھر کا خرچ چلانا مردوں کی ذمہ داری ہے۔ خواتین کی نہیں۔ یہ خواتین کا قانونی حق بنتا ہے کہ اگر اُس کے گھر کے خرچے کا انتظام نہیں کیا جاتا تو وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے خلاف عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ اگر خرچ دینے والا کوئی قریبی مرد رشتہ دار نہیں تو اُس کے گھر کے خرچ کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہے کہ وہ اُسے تمام اشیائے ضرورت مہیا کرے۔ اس طرح دیکھا جا سکتا ہے کہ ایک صحیح اسلامی معاشرے اور حکومت میں خواتین کو بہتر مقام بخشا گیا ہے۔

خواتین کی پاکستان کی سیاسی اور معاشی سرگرمیوں میں شرکت

برصغیر ہندوپاک کی مسلمان خواتین نے ہمیشہ سے ملک کی سیاسی اور معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیا ہے۔ تحریکِ پاکستان میں مسلمان خواتین کا بھرپور حصہ رہا ہے اور چند خواتین نے ملکی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ان میں محترمہ فاطمہ جناح اور رعنا لیاقت علی خان کے نام نمایاں ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی خواتین نے ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لیا ہے۔

حکومت پاکستان نے ملکی سیاست میں خواتین کو فعال کرنے کی غرض سے 2002ء میں آئینِ پاکستان میں ترمیم کر کے خواتین کے لیے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں 33% نشستیں مخصوص کرائیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکتوبر 2002ء کے عام انتخابات میں خواتین کی ایک بڑی تعداد قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچی اور یوں اُن کو ملکی قوانین کے وضع کرنے میں ایک اہم مقام حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ ضلعی حکومتوں میں بھی خواتین کے لیے نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے خواتین کو مقامی حکومتوں کے چلانے میں بھی ایک اہم ذمہ داری سونپی گئی۔

خواتین کے لیے اسمبلیوں اور مقامی حکومتوں میں نشستیں مخصوص کرنا دراصل اُن کے ساتھ دُہری رعایت ہے، کیونکہ خواتین عام نشستوں پر مردوں کے مقابلے کے لیے بھی نامزد کی جا سکتی ہیں لیکن خواتین کے لیے مخصوص نشستوں پر مردوں کی نامزدگی ناممکن ہے۔

سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ آج کل خواتین ملک کی معاشی زندگی میں بھی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03...

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ خواتین ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، وکلاء، سرکاری آفیسر، فیشن ڈیزائنر، بینکر اور سرمایہ کاروں کی شکل میں ملک کے معاشی نظام میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ یہ بات قابلِ تحسین ہے کیونکہ خواتین ملکی آبادی کا نصف حصہ ہیں۔ کوئی بھی ملک آبادی کا نصف حصہ مفلوج کر کے ترقی حاصل نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ملک کے بہتر مستقبل کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر خواتین کی حوصلہ افزائی کی جائے اسی میں ملک کی بہتری اور بقاء ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

مشق

1. خالی جگہوں کو موزوں الفاظ سے پُر کریں۔

i. پاکستان کی سرزمین قدیم ثقافتوں اور تہذیبوں کا __________ رہی ہے۔

ii. گندھارا تہذیب کا پہلا دارالخلافہ __________ ہے۔

iii. گندھارا دور میں پشاور کو __________ کہتے تھے۔

iv. ثقافت میں سب سے بنیادی چیز __________ ہے۔

v. گندھارا کا ثقافتی مرکز __________ ہے۔

2. بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست الفاظ کا انتخاب کریں۔

i. ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں کون سے چینی سیاح نے گندھارا کا دورہ کیا؟

(چیانگ زے چن، ہوچی من، ہیون سانگ)

ii. ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب کا نام ہے۔

(رگ وید، گرنتھ، مالا)

iii. گندھارا کون سی سلطنت کا حصہ تھا؟

(ایرانی، افغانی، ہندوستانی)

iv. حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں کس مسلمان خاتون کو پرائس کنٹرول آفیسر مقرر کیا تھا؟

(اسماء بنت ابوبکرؓ، ام سلمیٰؓ، شفہ بنت عبداللہؓ)

3. مندرجہ ذیل میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

i. حضور ﷺ کے دور میں خواتین دنیاوی تعلیم بھی حاصل کرتی تھیں۔

ii. گندھارا کا ثقافتی مرکز چارسدہ تھا۔

iii. بلوچی ثقافت پر ایرانی ثقافت کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔

iv. موہنجوداڑو بلوچی ثقافت کا مرکز تھا۔

v. گندھارا کے مجسمہ سازی کے فن پر یونانی اثرات ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

4. کالم (الف) میں دیے ہوئے لفظوں کو کالم (ب) کے مناسب لفظوں سے جوڑ ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
تاریخ کا مطالعہ	ہنجا منشی بادشاہ کی سلطنت کا حصہ
ساتویں صدی عیسوی	سندھ
گندھارا	پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی
ملاکھڑا	ہیون سانگ
بادشاہی مسجد	لاہور

5. درج ذیل اجزاء کے مختصر جواب لکھیں۔

i. ثقافت کی تعریف بیان کریں۔
ii. پختون ثقافت کی وہ کون سے خصوصیات ہیں جو اُسے دوسری ثقافتوں سے ممتاز کرتی ہیں؟
iii. پنجابی ثقافت کی چند خصوصیات بیان کریں۔
iv. سندھی تہذیب کی چند رسومات کے نام لکھیں۔
v. موہنجوداڑو پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
vi. بلوچی ثقافت کی چند خصوصیات بیان کریں۔

6. ''پاکستان قدیم ثقافتوں کا گہوارہ ہے''۔ یہاں جنم لینے والی ثقافتوں کا جائزہ لیں۔

7. پاکستانی ثقافت کا ہماری قومی یک جہتی و اتحاد میں کیا کردار رہا ہے؟

8. ''اسلام میں مرد و عورت کے مابین صنف کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں'' وضاحت کریں۔

9. ''پاکستانی خواتین ملک کی سیاسی و معاشی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں''۔ اپنے روزمرہ مشاہدات کی روشنی میں وضاحت کریں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03409815886

پاکستانی زبانیں

زبان انسانوں کے درمیان رابطے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کی مدد سے ہم اپنے خیالات، محسوسات اور جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ زبان کی موجودہ شکل ایک طویل ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے۔ انسانی تہذیب کے ابتدائی دور میں ایک دوسرے سے رابطے اور بات سمجھانے کے لیے مختلف حرکات، اشاروں اور آوازوں کا استعمال ہوتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان آوازوں نے الفاظ کا روپ دھار لیا۔ اسی طرح ان الفاظ کے آپس میں ربط اور ایک مخصوص لہجے میں ادائیگی سے مختلف زبانیں وجود میں آئیں۔

دُنیا کے مختلف علاقوں میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان ساری زبانوں کی ابتدائی شکل ان کی موجودہ شکل سے کافی مختلف تھی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ضروریات کے پیش نظر ان میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ یوں دنیا کے مختلف علاقوں کی زبانیں اس علاقے کے مخصوص حالات کے زیرِ اثر ایک الگ انداز اور لب ولہجہ اختیار کرتی گئیں۔ اس طرح ایک بڑی تعداد میں علاقائی زبانوں اور بولیوں نے جنم لیا۔

ابتدا میں زبان صرف بولنے تک محدود رہی مگر بعد میں انسان نے الفاظ کو تحریروں کی شکل میں لانے کا علم سیکھا اور یوں زبانیں بولنے کے ساتھ ساتھ لکھی اور پڑھی جانے لگیں۔ تحریر کے مرحلے تک پہنچ کر مختلف زبانوں میں ادب نے جنم لیا۔ ہر زبان میں ادب کی ابتدائی شکل ''لوک ادب'' کہلاتی ہے۔ اس قسم کے ادب میں ایک خاص علاقے کے لوگوں کے مزاج، ثقافتی پس منظر اور احساسات کی عکاسی ہوتی ہے۔ علاقائی اور لوک ادب کے فروغ کے بعد معیاری اور سنجیدہ ادب کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں ادب کی مختلف اصناف مثلاً شاعری اور نثر نگاری میں سنجیدہ اور اہم موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا۔

پاکستان ایک ایسے خطہ ءزمین پر واقع ہے جہاں سے کئی قدیم تہذیبوں کے آثار ملے ہیں۔ ان قدیم تہذیبوں میں وادی سندھ کی تہذیب اور گندھارا تہذیب شامل ہیں۔ ان تہذیبوں کے اپنے خدوخال، معاشرتی اقدار اور ثقافتی خصوصیات تھیں۔ اسی طرح ان کے ساتھ کئی قدیم زبانیں بھی وابستہ تھیں۔ پاکستان میں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جن میں قومی زبان اُردو کے علاوہ تقریباً تیس کے قریب چھوٹی بڑی علاقائی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03495815886

زبانیں شامل ہیں۔ علاقائی زبانوں میں زیادہ اہم اور بڑی زبانیں پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی ہیں جو پاکستان کے چاروں صوبوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔

اُردو

اُردو نہ صرف پاکستان کی قومی زبان ہے بلکہ چاروں صوبوں کے لوگوں کے درمیان رابطے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ علاقائی زبانیں ایک خاص علاقے تک محدود ہیں جبکہ اُردو پاکستان کے تمام علاقوں میں رہنے والے لوگ، خصوصاً تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ چونکہ اُردو پاکستان کے کسی بھی صوبے کے لوگوں کی مادری زبان نہیں ہے اس لیے قومی زبان کے طور پر اس کی حیثیت غیر متنازعہ اور قابلِ قبول ہے۔

اُردو زبان کا تعلق ہندی، آریائی زبانوں کی نسل سے ہے۔ اس زبان کی ابتداء تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ جب جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا تو مسلمان حکمرانوں نے اپنی فوج میں مختلف قومیتوں اور علاقوں کے لوگ بھرتی کیے۔ ان میں عرب، ایرانی، ترکی، افغانی اور ہندوستانی شامل تھے۔ یہ سارے لوگ اپنی اپنی زبانیں بولتے تھے مگر ان کے باہم میل جول سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جس کو ''اُردو'' کا نام دیا گیا۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ''لشکر'' کے ہیں۔

اُردو زبان کی مختصر تاریخ

دوسری بڑی زبانوں کی طرح اُردو ادب کی ابتداء بھی شاعری سے ہوئی تھی۔ یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مشہور شاعر خواجہ مسعود سعد سلمان اُردو کے پہلے شاعر تھے۔ مسعود لاہور کے رہائشی تھے۔ لاہور غزنوی حکمرانوں کا دارالحکومت تھا۔ اس لیے وہاں بڑی تعداد میں فارسی بولنے والے مسلمان آباد ہو چکے تھے۔ ان مسلمانوں اور مقامی زبانیں بولنے والے ہندوستانیوں کی ثقافت اور زبانوں کے اختلاط نے ایک نئی زبان کو جنم دیا۔ اس زبان نے مختلف ادوار میں اپنے کئی نام تبدیل کیے۔ شروع میں اسے ہندوی، ہندی یا ہندوستانی کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ زبان ''ریختہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ مغل حکمران شاہجہان کے دور میں دہلی کے ایک بازار میں لشکری اور خواص رہتے تھے۔ بادشاہ نے اُس بازار کو ''اُردوئے معلّٰی'' کا نام دیا اور وہاں بولی جانے والی زبان اسی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD

مناسبت سے ''اُردوئے معلّیٰ یا زبانِ دہلوی'' کہلائی۔ یہ زبان جب دکن اور گجرات پہنچی تو اس کو دکنی اور گجراتی بھی کہا گیا۔

اُردو کی مقبولیت میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوا اور درباروں میں فارسی کے ساتھ ساتھ اُردو بھی بولی جانے لگی۔ اُس دور کے امراء نے اس زبان کی بڑی سرپرستی کی۔ یوں یہ زبان بول چال کی سطح سے بلند ہو کر ایک ادبی زبان کے درجے پر فائز ہو گئی۔

علاقائی زبانیں

پاکستان میں ویسے تو تقریباً تیس کے قریب مختلف علاقائی زبانیں بولی جاتی ہیں مگر ان میں زیادہ اہم پنجابی، پشتو، سندھی اور بلوچی زبانیں ہیں جو پاکستان کے چاروں صوبوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔

1۔ پنجابی

پنجابی بذاتِ خود فارسی کا لفظ ہے۔ یہ دو الفاظ ''پنج'' اور ''آب'' کا مجموعہ ہے۔ پنجاب پانچ دریاؤں کی سرزمین کو کہتے ہیں اور لفظ پنجابی یہاں کے لوگوں اور اُن کی زبان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس زبان کا اصل رسم الخط گورمکھی ہے مگر پاکستان میں یہ زبان اُردو اور فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔

پنجابی صوبہ پنجاب کی زبان ہے مگر یہ پنجاب سے باہر بھی کئی دوسرے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کا تعلق اس علاقے کی قدیم تہذیب سے ہے۔ تاریخی اور جغرافیائی اثرات کی وجہ سے پنجابی زبان کے چھوٹے بڑے لہجے یا بولیاں ہیں مگر اس کا معیاری لہجہ ماجھی کہلاتا ہے۔

پنجابی زبان میں اگرچہ علم و ادب کی شروعات محمود غزنوی کے زمانے سے ہو چکی تھی مگر اس کا استعمال بطور زبان مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے دوسرے ناموں سے ہوتا تھا۔ حضرت امیر خسرو نے چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں لاہور کے لوگوں کی زبان کو ''لاہوری'' کا نام دیا ہے جو دراصل پنجابی زبان تھی۔

پنجابی ادب کی ابتداء بابا فرید گنج شکرؒ اور اُن کی صوفیانہ شاعری کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس دور کے دوسرے اہم شعراء میں مادھو لال حسین، سلطان باہو، بلھے شاہ اور وارث شاہ کے نام شامل ہیں۔ ان تمام صوفی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03428815686

بزرگوں اور شعراء کی شاعری کا محور تصوف اور عشق و محبت تھا۔ ادبی لحاظ سے پنجابی زبان کا دامن کافی وسیع ہے۔ اس میں ادب کی تقریباً ہر صنف پر کام ہوا ہے۔ پنجابی ادب میں بنیادی طور پر روحانیت، تصوف اور عشق و محبت کے موضوعات پر زیادہ زور ہے۔ صوفیاء کی شاعری پنجابی لوک ادب کا بیش بہا سرمایہ ہے اور اس کو آج بھی نہایت ادب اور احترام سے پڑھا اور سُنا جاتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے پنجابی زبان کا انتخاب اس لیے کیا کہ یہ اُس دور کی عوامی زبان تھی جبکہ فارسی اور عربی شاہی دربار اور خواص کی زبانیں تھیں۔ تصوف کے علاوہ معاشرتی اور سیاسی موضوعات بھی صوفیاء کی شاعری میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا کلام عوام میں بے حد مقبول تھا۔

پنجابی شاعری میں داستان گوئی بھی ایک خاص مقام رکھتی ہے اور پنجابی رومانوی داستانیں ہزاروں سال کی روایات کی امین ہیں۔ پنجابی لوک داستانوں میں وارث شاہ کی ''ہیر رانجھا''، ہاشم شاہ کی ''سسی پُنوں''، فضل شاہ کی ''سوہنی مہینوال'' اور حافظ برخوردار کی ''مرزا صاحباں'' کو زیادہ شہرت ملی۔ ان داستانوں میں اعلیٰ درجے کی شاعری کے علاوہ اُس وقت کے پنجاب کی تاریخی، مذہبی اور معاشرتی زندگی کی بھرپور جھلک نظر آتی ہے۔

پنجابی ادب اپنی فکر، اسلوب اور آفاقیت کے لحاظ سے ساری دنیا کے ادب میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ پنجاب کی لوک شاعری اور گائیکی میں ڈھولے، ماہیے، دوہے، ٹپے، بولیاں، دھمال، جُھومر، بھنگڑا اور لڈی بہت مشہور ہیں۔ ان تمام اصنافِ سخن کے موضوعات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں اور ان میں زندگی کے باریک ترین محسوسات کا اظہار کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

پنجابی زبان میں نثر نگاری کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اس سے پہلے کے دور میں پنجابی نثر کی تحریریں صرف مذہبی موضوعات تک محدود تھیں۔ بعدازاں ڈرامہ نویسی، تذکرہ نویسی، تحقیق و تنقید اور نثر کے دوسرے اصناف پر مختلف ادیبوں نے گراں قدر کام کیا ہے۔

2۔ پشتو

پشتو زبان نہ صرف صوبہ خیبر پختونخوا میں بولی جاتی ہے بلکہ پاکستان کے اُن تمام علاقوں میں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے جہاں پختون آباد ہیں۔ بلوچستان کے ایک وسیع علاقے اور سندھ میں خصوصاً کراچی میں پشتو بولنے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMED-03438815886

والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ اس کے علاوہ افغانستان کی قومی زبان ہونے کی وجہ سے اسے ایک بین الاقوامی زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ اس زبان کی ابتداء تقریباً 5 ہزار سال پہلے افغانستان کے علاقے باختریا ''بخت'' سے ہوئی تھی جو موجودہ بلخ کے آس پاس کا علاقہ ہے۔ اسی نسبت سے اس کو ''باختو'' یا ''پاختو'' کا نام دیا گیا جو بعد میں پختو یا پشتو بن گیا۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں پشتو زبان کے دو بنیادی لہجے ہیں۔ ایک لہجہ شمال مشرق کے علاقوں کا ہے۔ جسے پشتو کا سخت لہجہ کہتے ہیں۔ دوسرا لہجہ نرم لہجہ ہے جو جنوب مغرب کے علاقوں میں مروج ہے۔ سخت لہجے کی پشتو میں بعض جگہ جہاں ''خ'' کا حرف استعمال ہوتا ہے، نرم لہجے کی پشتو میں اُس کے متبادل کے طور پر ''ش'' کا استعمال ہوتا ہے۔

اگر چہ پشتو ایک قدیم زبان ہے مگر پشتو ادب کا آغاز تحریری شکل میں اسلامی دور کے آغاز سے ہوتا ہے۔ پشتو زبان کے حروفِ تہجی محمود غزنوی کے دور میں سیف اللہ نامی ایک شخص نے وضع کیے جو آج تک رائج ہیں۔ پشتو ادب کی ابتداء بھی دوسری مہذب زبانوں کی طرح شاعری سے ہوتی ہے اور امیر کروڑ کو پشتو زبان کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ تحقیق کے مطابق پشتو کی قدیم ترین کتاب بایزید انصاری کی لکھی ہوئی خیر البیان ہے جو بنیادی طور پر ایک درسی کتاب ہے۔ دوسری کتاب محمد ہوتک کا ''پٹہ خزانہ'' (چھپا خزانہ) ہے اس میں واقعات انتہائی قدیم ہیں لیکن کتاب بعد میں لکھی گئی ہے۔

اٹھارویں صدی میں پشتو زبان کی ترقی میں سب سے بڑا حصہ اس زبان کے ہمہ جہت شاعر خوشحال خان خٹک کا ہے۔ اُن کی مشہور تصانیف میں ''باز نامہ''، ''دستار نامہ'' اور ''فضل نامہ'' شامل ہیں۔ اُن کی شاعری عشقِ حقیقی و مجازی، تصوف، حریت اور بہادری کے موضوعات پر مبنی ہے۔ پشتو زبان میں شاعری کے حوالے سے دوسرا بڑا نام رحمان بابا کا ہے۔ رحمان بابا ایک فقیر صفت شاعر تھے جن کی شاعری کا موضوع عشقِ حقیقی اور تصوف تھا۔ اُن کے اشعار میں وعظ و نصیحت کا عنصر نمایاں ہے۔ اُن کے کئی اشعار لوگوں کو زبانی یاد ہیں۔

برِ صغیر میں انگریزوں کا اقتدار قائم ہونے کے بعد پشتو زبان کو کچھ عرصہ تک نظر انداز کیا گیا مگر بعد میں انگریزوں نے پختون علاقوں کی حساس نوعیت اور اہمیت کے پیشِ نظر اس زبان کو نہ صرف خود سیکھنے کی ضرورت محسوس کی بلکہ انھوں نے اس زبان کی بہت خدمت کی۔ بعض انگریزوں نے پشتو زبان میں کتابیں بھی تحریر

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF PHIMAD-03098715806

کیں جن میں میجر راورٹی (Major Raverty) کا نام سرفہرست ہے۔

1930ء کی دہائی میں پنجاب یونیورسٹی نے پشتو زبان میں مہارت کے امتحان لینے شروع کیے جبکہ 1937ء میں صوبہ خیبر پختونخوا کی صوبائی حکومت نے پرائمری سطح پر پشتو کو نصاب میں بطورِ مضمون شامل کیا۔ تعلیمی میدان میں پیش رفت کے باوجود پشتو میں علمی اور ادبی کتابوں کی کمی محسوس کی گئی جو اس زبان کی ترقی کے لیے بے حد ضروری تھیں۔ چنانچہ 1955ء میں پشاور یونیورسٹی میں پشتو اکیڈیمی کی بنیاد رکھی گئی جس نے نہ صرف پشتو ادب سے متعلق کتابوں کو جمع کر کے محفوظ کیا بلکہ دیگر زبانوں سے مستند کتابوں کا پشتو میں ترجمہ بھی کیا۔ پشتو اکیڈیمی نے پشتو کی نایاب کتابوں کو تلاش کر کے ان کی ترتیب اور تدوین کی اور انھیں شائع کیا۔ اکیڈیمی نے پشتو میں کئی موضوعات پر نئی کتابیں بھی لکھوائیں اور شائع کیں۔

دوسری علاقائی زبانوں کی طرح پشتو میں بھی لوک گیت، ادب کا ایک بیش بہا سرمایہ ہیں۔ پشتو لوک گیتوں کی کئی اصناف ہیں مگر زیادہ مشہور اصناف میں چار بیتہ، ٹپہ، نیمکئی وغیرہ شامل ہیں۔ پشتو شاعری میں غزل کے حوالے سے ایک بڑا نام امیر حمزہ خان شنواری کا ہے۔ جنھوں نے پشتو شاعری میں غزل کو بڑی ترقی دی اور اسی وجہ سے اُن کو "بابائے غزل" کہتے ہیں۔

پشتو نثر میں زیادہ تر کام بیسویں صدی میں ہوا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جدید تعلیم کے زیرِ اثر نئے نظریات اور خیالات کے حامل اہلِ قلم نے پشتو لغات، گرائمر نویسی، افسانہ نویسی، ڈرامہ نویسی، ناول نویسی اور سوانح نویسی میں نمایاں کام کیا۔

دورِ جدید میں پشتو ادب کے حوالے سے چند بڑے نام امیر حمزہ خان شنواری، سمندر خان سمندر، قلندر مومند، غنی خان، رحمت شاہ سائل، پریشان خٹک، ڈاکٹر محمد اعظم اعظم، محمد ہمایون ہما، زیتون بانو اور سلمٰہ شاہین کے ہیں۔

3۔ سندھی

سندھی پاکستان کی قدیم ترین زبان ہے۔ موہنجوداڑو کے قدیم لوگوں کی زبان میں موجودہ سندھی زبان کے کچھ عناصر پائے جاتے ہیں۔ اس زبان پر دراوڑی، سنسکرت، یونانی، ایرانی اور دیگر قدیم زبانوں اور ثقافتوں کے اثرات نمایاں ہیں، تاہم یہ عربی اور فارسی سے زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ عربوں کے سندھ پر

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED-03499815886

قبضہ کرنے کے بعد سندھی میں نئے عربی اور مغلوں کے دور میں فارسی الفاظ شامل ہوئے مگر اس کا لہجہ بنیادی طور پر آج بھی وہی ہے جو بارہویں صدی عیسوی میں تھا۔

سندھی زبان کا اپنا رسم الخط پراکرت اور سنسکرت رسم الخط کی نسل سے تھا۔ انگریزوں کے سندھ پر قبضہ کرنے تک سندھی زبان دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ مگر انگریزوں نے اس زبان کے لیے فارسی اور عربی رسم الخط رائج کروایا اور اسے سرکاری رسم الخط کا درجہ دیا۔ اسی دور میں سندھی زبان میں بے شمار انگریزی الفاظ کا اضافہ ہوا۔ چونکہ سندھی زبان ایک وسیع علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اس وجہ سے اس کے کئی لہجے نظر آتے ہیں، مگر اس زبان میں علمی، ادبی اور صحافتی کام اس کے معیاری لہجے ساہتی میں ہوا ہے۔

پوری اسلامی دُنیا کی مقامی زبانوں میں سندھی پہلی زبان ہے جس میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا گیا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے نصف سے لے کر چودھویں صدی عیسوی کے نصف تک سندھ کی اسلامی ادبی تاریخ کا ابتدائی دور تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس دور میں حب الوطنی، عزم، خود داری اور روحانی عقائد کے موضوعات پر لکھا گیا۔ اس دور کے سندھی ادب میں مشہور اصناف داستان، قصہ، گنان، بیت، سورٹھے، گاتھا اور دوہڑے قابل ذکر ہیں۔ اسی زمانے میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے صوفیاء کرام نے بھی سندھی زبان میں شاعری کے ذریعے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔

اٹھارویں صدی عیسویں تک شاہ عبدالطیف بھٹائی اور سچل سرمست جیسے عظیم شاعر اپنی بے نظیر شاعری سے سندھی ادب کو مالا مال کر چکے تھے۔ شاہ عبدالطیف بھٹائی نے غریب عوام اور محنت کش طبقے کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ اسی وجہ سے اُن کی شاعری کی گونج سندھ کے ہر کونے میں سُنائی دیتی ہے۔ اُن کی شاعری کے مجموعے کا نام ''شاہ جو رسالو'' ہے۔ اسی دور کے دوسرے عظیم المرتبت شاعر سچل سرمست ہیں۔ وہ صوفی صفت انسان تھے اور تصوف میں وحدت الوجود اُن کا مسلک تھا۔ اُنھوں نے نو لاکھ کے قریب اشعار تحریر کیے۔

شاعری کے ساتھ ساتھ نثری ادب میں اساتذہ، علماء اور مبلغین کی کوششوں سے بہت سا سرمایہ جمع ہوا۔ اس سلسلے میں ابوالحسن سندھی کی کوششیں نمایاں ہیں۔ انھوں نے سندھی کے لیے عربی رسم الخط کو بنیاد بنا کر ایک نیا رسم الخط تیار کیا۔ انگریزوں کے دور میں سندھی زبان میں ادب کے حوالے سے ایک بڑا نام مرزا قلیچ بیگ (1929ء-1855ء) کا ہے۔ اُن کی تصانیف کی تعداد چار سو کے لگ بھگ ہے۔ انھوں نے شاعری

سمیت ادب کی تقریباً ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ اسی دور میں سندھی صحافت کو بھی کافی اہمیت حاصل ہوئی اور سندھی صحافت کو فروغ حاصل ہوا۔

دوسری زبانوں کی طرح سندھی بھی جدید ادبی رُجحانات سے متاثر ہوئی اور قیامِ پاکستان کے بعد جدید افسانہ، ڈرامہ نگاری، ادبی تحقیق اور دوسرے علمی میدانوں میں کافی کام ہوا۔ جدید دور کے سندھی ادیبوں نے روایتی انداز کو جدید رُجحانات سے ہم آہنگ کیا۔ موجودہ دور میں سندھی زبان کی ترقی اور ترویج کے لیے قابلِ قدر کام ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں سندھی ادبی بورڈ اور سندھ یونیورسٹی جامشورو میں شعبہ سندھیالوجی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

4۔ بلوچی

بلوچی زبان پاکستان کی علاقائی زبانوں میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ زبان نہ صرف بلوچستان کے وسیع علاقوں میں بولی جاتی ہے بلکہ سندھ اور جنوب مغربی پنجاب کے کچھ علاقوں میں بھی اس زبان کے بولنے والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ یہ زبان ایران اور جنوبی افغانستان میں بھی بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والے ترکمانستان اور اومان میں بھی موجود ہیں۔

اس زبان کا تعلق بھی پشتو زبان کی طرح آریائی زبانوں کی مشرقی ایرانی شاخ سے ہے۔ اس زبان کے دو بڑے لہجے ہیں، ایک سلیمانی اور دوسرا مکرانی۔

اگرچہ بلوچی رسم الخط بہت پہلے ایجاد کیا جا چکا تھا مگر قدیم بلوچی ادب تحریری طور پر محفوظ نہیں کیا جا سکا اور اس دور کے شعراء کا کلام زبانی طور پر نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔ 1940ء تک بلوچی زبان میں کوئی اخبار یا کتاب شائع نہیں ہوئی مگر قیامِ پاکستان کے بعد بلوچی ادب نے کافی ترقی کی ہے۔ بلوچی زبان کا موجودہ رسم الخط بنیادی طور پر عربی ہے مگر عربی حروفِ تہجی میں ضرورت کے مطابق تبدیلی کی گئی ہے۔ بلوچی ادب میں شاعری کو سب سے اہم مقام حاصل ہے۔ بلوچی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ بلوچی شاعری میں زیادہ اہم رزمیہ شاعری ہے اور اس کے موضوعات میں ہمت، غیرت، بردباری اور بہادری کے پہلو نمایاں ہیں۔ دوسرا حصہ عشقیہ شاعری کا ہے اور اس کا بنیادی موضوع عشق و محبت ہے۔ تیسرا حصہ لوک داستانوں پر محیط ہے۔ اس میں لوری اور موتک کی اصناف زیادہ نمایاں ہیں۔ انگریزوں کے دور میں جو بلوچی شاعری تخلیق کی گئی اس میں تصوف، اخلاقیات اور انگریزوں کے خلاف نفرت

کے عنوانات ملتے ہیں۔ اس دور کا بلند پایہ شاعر مست توکلی ہے۔ 25 دسمبر 1949ء کو ریڈیو پاکستان کراچی مرکز سے بلوچی زبان میں پروگرام نشر کیا جانے لگا۔ جس کا دورانیہ 45 منٹ کا ہوتا تھا۔ آج اس زبان کے فروغ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا کردار بہت اہم ہے۔ 1960ء کا سال بلوچی صحافت کے حوالے سے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال بلوچی زبان کا پہلا مجلّہ شائع ہوا۔ جدید بلوچی ادب میں جملہ اصنافِ سخن پر مؤثر کام ہو رہا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

مشق

1. خالی جگہوں کو پر کریں۔

i. پاکستان میں اُردو کے علاوہ تقریباً ________ کے قریب زبانیں بولی جاتی ہیں۔

ii. پنجابی زبان کا اصل رسم الخط ________ ہے۔

iii. پشتو شاعری میں غزل کے حوالے سے ایک بڑا نام ________ کا ہے۔

iv. برصغیر پاک و ہند میں قرآن پاک کا ترجمہ سب سے پہلے ________ زبان میں کیا گیا۔

بریکٹ میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کریں۔

2. i. اُردو کس زبان کا لفظ ہے؟

(ہندی، فارسی، عربی، ترکی)

ii. اُردو کے پہلے شاعر تھے۔

(ولی دکنی، قلی قطب شاہ، خواجہ مسعود سلمان، مرزا غالب)

iii. مغلوں کے دور میں سندھی زبان میں کون سی زبان کے الفاظ کثرت سے شامل ہوئے؟

(ترکی، انگریزی، فارسی، عربی)

iv. پشتو زبان کی پہلی کتاب کا نام ہے۔

(خیر البیان، پٹہ خزانہ، باز نامہ، دستار نامہ)

v. پشتو زبان کے حروف تہجی مرتب کیے۔

(رحمان بابا، دوست محمد کامل، خوشحال خان خٹک، سیف اللہ)

3. مندرجہ ذیل میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

i. اُردوئے معلیٰ دہلی کے ایک بازار کا نام تھا۔

ii. اُردو ادب کا آغاز نثر سے ہوا تھا۔

iii. امیر حمزہ خان شنواری نے پشتو شاعری میں غزل کو باقاعدہ صنف کا درجہ دیا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

iv. پنجابی خود فارسی زبان کا لفظ ہے۔

v. میجر راورٹی (Major Raverty) نے پشتو زبان میں کتاب لکھی تھی۔

vi. بلوچی زبان بولنے والے ترکمانستان اور اومان میں بھی موجود ہیں۔

4. کالم "الف" میں دیے گئے لفظوں کا کالم "ب" کے مناسب لفظوں سے جوڑ ملائیں۔

کالم "الف"	کالم "ب"
وارث شاہ	سوہنی مہینوال
ہاشم شاہ	ہیر رانجھا
فضل شاہ	فضل نامہ
حافظ برخوردار	سسی پنوں
خوشحال خان خٹک	مرزا صاحباں

MDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEEF AHMAD-03430875886

5. مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:۔

i. پاکستان جس خطے میں واقع ہے وہاں کن قدیم تہذیبوں کے آثار ملے ہیں؟

ii. اُردو زبان پاکستان کی قومی زبان کے طور پر کیوں سب سے زیادہ موزوں ہے؟

iii. اُردو زبان کو مختلف ادوار میں کن کن ناموں سے پکارا گیا؟

iv. پشتو اکیڈمی کا قیام کب اور کس مقصد کے تحت عمل میں لایا گیا؟

6. پنجابی زبان اور ادب پر نوٹ لکھیں۔

7. اُردو زبان کی کیا اہمیت ہے اور اس کا قومی یک جہتی میں کیا کردار ہے؟

8. پشتو زبان اور ادب کے ارتقا پر جامع نوٹ لکھیں۔

9. سندھی ایک قدیم زبان ہے۔ دلائل سے واضح کریں۔

10. علاقائی زبان کے طور پر بلوچی کی اہمیت بیان کریں۔

قومی یک جہتی اور خوشحالی

اقوامِ عالم کی تاریخ پر اگر نظر ڈالیں تو دنیا میں وہی قومیں خوشحال اور ترقی یافتہ نظر آتی ہیں جن میں اتحاد اور یک جہتی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ یعنی قومی ترقی و خوشحالی کے لیے اولین شرط اتحاد و اتفاق اور یک جہتی ہے۔

قومی یک جہتی کا مفہوم (Meaning of National Integration)

ہر قوم چھوٹے بڑے مختلف گروہوں کے اشتراک سے بنتی ہے۔ ان تمام گروہوں کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مفادات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ سارے گروہ جغرافیائی لحاظ سے اپنے اپنے مخصوص علاقوں میں رہتے ہیں اور ان کی مثال باغ میں مختلف رنگ و بو والے پھولوں جیسی ہے۔ اس رنگا رنگی سے ہی باغ میں خوبصورتی ہے۔ ایک قوم کے اندر مختلف گروہوں کا وجود نفرت اور نا اتفاقی کی علامت نہیں بلکہ یہ ایک پھولوں کے گلدستے کی طرح ساتھ مل کر ایک نیا رنگ پیش کرتے ہیں۔ ان تمام گروہوں کی اپنی پہچان بھی برقرار ہے اور ایک قوم کے افراد بھی ہیں۔ قومی سطح پر یک جہتی سے کام کرتے ہوئے وہ تمام نہ صرف انفرادی طور پر بھی خوشحال ہوتے ہیں بلکہ ملک و قوم کی خوشحالی اور ترقی کے لیے بھی مل جل کر کام کرتے ہیں۔

ایک مضبوط قوم اسی صورت میں وجود میں آ سکتی ہے جب مختلف صوبوں، مذاہب، طبقوں، ثقافتوں اور نسلوں کے افراد قومی جذبے سے معمور ہوں۔ ایثار، تعاون اور رواداری جیسے جذبے قومی یک جہتی پیدا کرتے ہیں۔ خیالات و احساسات میں ہم آہنگی ہو اور ہر فرد دوسرے افراد کے لیے اور ہر گروہ دوسرے گروہوں کے لیے قربانی، خلوص اور اشتراکِ عمل کا جذبہ رکھتا ہو۔ قومی استحکام کا دارو مدار قومی یک جہتی پر ہوتا ہے۔ یک جہتی کے لیے کام کرنا قوم کے ہر فرد کا اہم فریضہ ہے۔

اسلامی جمہوری ریاست کی اہمیت

اسلامی جمہوری ریاست کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں اسلام کے زریں اصول اور

جمہوریت کے اعلیٰ مقاصد کو یکجا کر کے ریاست کی تشکیل کرتے ہیں۔ اسلامی جمہوری ریاست کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے چند اہم نکات درج ذیل ہیں۔

1۔ بین الاقوامی امن و سلامتی

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے اور انسانی عظمت اور وقار اس کے زریں اصولوں میں شامل ہیں۔ ایک اسلامی جمہوری ریاست نہ صرف اپنے ملک میں امن و سلامتی چاہتی ہے بلکہ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ بین الاقوامی و علاقائی امن کی فضا کو فروغ دیا جائے۔ نسلی تعصب اور ہر قسم کے استحصال کو ختم کیا جائے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03458187886

2۔ عوام کی فلاح و بہبود

ایک اسلامی جمہوری ریاست کے قومی مقاصد میں عوام کی فلاح و بہبود سرِ فہرست ہوتی ہے۔ اسلامی جمہوری معاشرہ جہالت، غربت و افلاس کے خلاف مسلسل جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔

3۔ اقتدارِ اعلیٰ

اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کا تصور دیگر نظریات سے مختلف ہے۔ اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ اختیارات کا منبع ہے یعنی اسلامی ریاست میں اللہ تعالیٰ ہی مقتدرِ اعلیٰ یعنی حاکم مطلق ہے۔ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کی ذات سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ انسان اس کا صرف نائب ہے۔ اس نظام میں کوئی حاکم وقت یا حاکم مطلق (ڈکٹیٹر) نہیں ہوسکتا۔ دوسرے لفظوں میں عوامی نمائندے اس حق کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے اس کی امانت سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔

4۔ مثالی حکومت

اسلامی جمہوری ریاست نہ صرف عوام کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتی ہے بلکہ ایک مثالی حکومت بنانے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ جس میں حاکم و محکوم کا فرق مٹ جاتا ہے۔ ہر طبقے کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ نیز اس ریاست میں بہتر اسلوبِ حکمرانی کے اصولوں پر عمل کرنے کے لیے رائے عامہ ہموار

کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

5۔ معاشی ومعاشرتی تحفظ

ایک اسلامی جمہوری ریاست کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس میں عوام کو معاشی ومعاشرتی انصاف فراہم کیا جاتا ہے۔ ریاست تمام افراد کو یکساں بنیادی سہولتیں مہیا کرتی ہے تاکہ تمام افراد اپنی شخصیت کی تکمیل کرسکیں۔ معذور اور بے روزگار لوگوں کی کفالت بھی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔

6۔ غیر مسلم اقلیتوں کا تحفظ

ایک اسلامی جمہوری معاشرے میں اقلیتوں کا مقام کسی طرح بھی اکثریتی عوام سے کم نہیں ہوتا۔ اُن کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جو ملک کا آئین مسلم رعایا کے لیے فراہم کرتا ہے۔

7۔ تعلیم وصحت

ایک اسلامی جمہوری ریاست ہر فرد کو بلا امتیاز جدید علوم حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے تاکہ ملک کے تمام افراد علم کے زیور سے آراستہ ہوں نیز ان کی صحت کا خیال رکھتی ہے۔ ریاست کی اہم ذمہ داریوں میں حفظانِ صحت کے اصولوں کو عام کرنا بھی شامل ہے۔ بیماریوں کی روک تھام اور تعلیم کو عام کرنا بھی اسلامی جمہوری حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

پاکستان میں قومی یک جہتی کے مسائل اور تجاویز

پاکستان قومی یک جہتی کے حوالے سے کئی مسائل کا شکار ہے۔ قومی یک جہتی کے پیشِ نظر ان مسائل کا جائزہ لیا جاتا ہے اور تجاویز پیش کی جاتی ہیں جن کو بروئے کار لا کر قومی یک جہتی کو فروغ دیا جاسکے۔

1۔ جمہوری اداروں کا کمزور رہنا

پاکستان میں جمہوری اداروں کو تسلسل کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ جمہوری اداروں کا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

مستقل طور پر کام کرتے رہنا عوام میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ وہ ملکی امور میں براہ راست یا عوامی نمائندوں کے ذریعے شریک ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے نمائندوں پر تنقید کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ جمہوری فضا قائم نہ رہے تو گھٹن اور حبس کا احساس ہوتا ہے۔

2۔ ملکی آئین کا احترام نہ کرنا

پاکستان میں بدقسمتی سے تقریباً پہلے نو سالوں تک آئین نہ بن سکا۔ جس کی وجہ سے سیاسی انتشار بڑھتا گیا اور جب 1956ء کا آئین بنا تو وہ صرف اڑھائی سال تک چل سکا۔

1973ء کا آئین تمام تر خوبیوں کے باوجود ترامیم کا شکار ہوتا گیا اور وقت کے ساتھ ساتھ سیاستدانوں اور عوام کا اعتماد اس آئین سے بھی اٹھتا گیا۔

پاکستان اُس صورت میں ترقی کرسکتا ہے جب حکمران طبقہ اور سیاسی جماعتیں آئین کو ایک متبرک منشور کے طور پر اپنالیں اور اس کے ہر پہلو پر عوام کی خوشحالی کے لیے صحیح طریقے سے عمل پیرا ہوں۔

3۔ صحیح ترجیحات کا تعین

ایک ملک کے افراد قوم کے علاوہ مختلف مذاہب، جماعتوں، طبقوں اور علاقوں سے بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ اگر ان میں صحیح شعور ہو تو وہ قومی مفادات کو باقی تمام مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو سیاسی جماعت، فرقے اور لسانی گروہ کی خاطر قومی مفاد کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کی غلط ترجیحات مسائل کو جنم دیتی ہیں۔ نفرتیں، کدورتیں اور تعصبات پھیل کر پورے ماحول کو پراگندہ کر دیتے ہیں اور قومی سوچ دھندلا جاتی ہے۔

یک جہتی کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو صحیح ترجیحات کا شعور ہو۔

4۔ خودغرضی اور کرپشن

خودغرضی اور کرپشن نے نہ صرف پاکستانی عوام کو مختلف قسم کے مسائل سے دوچار کر دیا ہے بلکہ اس سے ملکی ترقی اور خوشحالی میں بھی رکاوٹیں پیدا ہوئی ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ کرپشن کے خاتمے کے لیے ایک

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498158886

مسلسل شفاف طریقے سے احتساب کا عمل جاری کرے۔

5۔ غیر منصفانہ معاشی نظام

آزادی کے بعد پاکستان کو فلاحی مملکت بنانا مقصود تھا لیکن مخصوص مفادات کے حامل افراد اور طبقوں نے معاشی انصاف کا خواب ہی بکھیر دیا۔ عام لوگ محرومیوں کا شکار ہو گئے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے طبقات کے درمیان وسیع خلیج پیدا کر دی۔

6۔ فرقہ واریت اور تشدد پسندی

گزشتہ چند سالوں سے تشدد پسندی اور فرقہ واریت نے پاکستان کو اذیت میں مبتلا کیا ہے۔ دن بہ دن قتل و غارت اور تشدد کی وارداتیں بڑھ رہی ہیں۔ اسلام محبت اور آشتی کا مذہب ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمیں رواداری اور باہمی احترام کا درس دیا ہے۔ قتل کو بدترین افعال میں شمار کیا ہے۔ جس نے کسی ایک شخص کو بے گناہ قتل کیا گویا اُس نے پوری انسانیت کو قتل کیا جس نے کسی شخص کی جان بچائی گویا اُس نے پوری انسانیت کو بچایا۔ فرقہ واریت نے غلط فہمیوں اور کدورتوں کو جنم دیا ہے۔ یہ سب قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والی باتیں ہیں۔ فرقہ واریت کے ماحول سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ملک دشمن قوتیں اپنے مذموم مقاصد پورے کر رہی ہیں۔ غیر ملکی ایجنٹ فرقہ ورانہ فسادات کراتے ہیں۔ جس سے ملک کی بیرونی دنیا میں بدنامی ہوتی ہے۔

7۔ سیاسی جماعتوں کا کردار

جمہوری نظام رکھنے والی اقوام میں یک جہتی پیدا کرنے کے لیے سیاسی جماعتیں بڑا مؤثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ امریکی اور برطانوی مثال کو لے لیں جہاں دو جماعتی نظام ہے اور دونوں ملک گیر جماعتیں ہیں۔ ہر دو جماعتوں نے اپنے مثبت رویوں کی بدولت وفاق کو مضبوط اور کامیاب بنا رکھا ہے۔ پاکستان میں کثیر الجماعتی نظام ہے۔ متعدد جماعتیں علاقائی ہیں انھیں ملک گیر نہیں کہا جا سکتا ہے۔ بہت کم جماعتیں ایسی ہیں جن کی چاروں صوبوں میں مؤثر تنظیم موجود ہو۔ اسی طرح اگر سیاسی جماعت انتخاب ہارنے کے بعد اپنی شکست تسلیم کرنے کی بجائے دھاندلی کے الزامات عائد کرنا شروع کر دے تو جمہوری سفر رک جاتا ہے۔ ایسی جماعت جیتنے والی جماعت کو اقتدار کی منتقلی کے خلاف تحریک شروع کر دیتی ہے۔ حکومت اور سیاسی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS - TOUSEEF AHMAD 03498115686

جماعتیں اقتدار کی رسہ کشی میں اُلجھ جاتی ہیں جس سے قومی ترقی اور قومی یک جہتی کو نقصان پہنچتا ہے۔

8۔ قانون کی حکمرانی

قانون کی حاکمیت کا مطلب ہی یہ ہے کہ قانون کی نظر میں ملک کے سب لوگ برابر ہوں اور سب کے ساتھ بلا امتیاز انصاف ہو۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں عملی طور پر قانون کی پاسداری کے لیے اتنا کام نہیں ہوا جتنا کہ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ جب انصاف نہ ہوتو لوگوں میں انتشار بڑھتا ہے جس سے قومی یک جہتی حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔

9۔ ذرائع نقل وحمل کا کردار

ماضی میں جغرافیائی دوری اور ناقص ذرائع نقل وحمل نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مسائل کی دیوار کھڑی کردی تھی۔ ملکی یک جہتی اور ثقافتی ہم آہنگی کے لیے ملک میں بہتر ذرائع نقل وحمل کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ میل ملاپ میں آسانی ہو اور لوگ ایک دوسرے کے مسائل سے آگاہ ہوں۔

10۔ ابلاغِ عامہ کا کردار

ٹی وی، ریڈیو، اخبارات، رسالے اور انٹرنیٹ رائے عامہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ صحافیوں پر لازم ہے کہ وہ ملکی وقار اور باہمی اعتماد کی ترقی اور سلامتی کا خیال ذہن میں رکھتے ہوئے قلم اٹھائیں۔ صحافی کا قلم قوم کے رویوں پر اثر ڈالتا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور رسائل وطن دوستی اور اتحاد کے لیے بہتر فضا پیدا کرسکتے ہیں۔ وہ عوام کے ذہنوں میں اٹھنے والے منفی شکوک اور شبہات کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح قومی سطح پر عمدہ رائے عامہ کو تیار کیا جاسکتا ہے۔

قومی یک جہتی کے حصول کے لیے ہمارا کردار

قومی یک جہتی ہر محب وطن شہری کی خواہش ہوتی ہے لیکن اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کچھ

MDCAT BY EDUTUBE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03498985868

اقدامات ضروری ہیں۔ جس کی بدولت ملک ترقی اور وقار حاصل کر سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل عوامل سے قومی یک جہتی کے حصول میں کامیابی ہو سکتی ہے۔

1۔ جدید تعلیم کا فروغ

بے علمی اور جہالت بے شمار خرابیوں کی جڑ ہے۔ بے علم لوگ تعصبات کا جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ اندھی تقلید کرتے ہوئے وہ صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر پاتے۔ اسی لیے پاکستان میں قومی یک جہتی کے حوالہ سے مسائل میں کمی نہیں ہو پا رہی۔ تعلیم سے افراد کو مل جل کر رہنے کا شعور پیدا ہوتا ہے اور اپنے حقوق و فرائض کی پہچان پیدا ہو جاتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے پاکستان میں تعلیم عام کی جائے جس سے نہ صرف انفرادی، معاشرتی، سیاسی، ثقافتی اور مذہبی قدریں فروغ پائیں گی بلکہ قومی وحدت اور قومی یک جہتی میں بھی اضافہ ہوگا۔

2۔ منصفانہ معاشی نظام

بعض ماہرین نے معاشیات کو انسانی زندگی پر اثر ڈالنے والا سب سے اہم عنصر تسلیم کیا ہے۔ اگر معاشرہ میں دولت کی مناسب تقسیم نہ ہو اور عوام محسوس کریں کہ انھیں معاشی انصاف مہیا نہیں کیا جا رہا تو یک جہتی پیدا نہیں ہو سکتی۔ معاشی ناہمواریاں انسانوں کو مایوس کر دیتی ہیں اور ان کا اپنے معاشرتی اور سیاسی نظام سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ ریاست اور معاشرے سے افراد کی دلی وابستگی پیدا کرنا مقصود ہو تو عوام کا اعتماد قائم کرنا لازمی ہے۔ انھیں اپنے نظام میں افادیت دکھائی دے تو وہ تعاون کرتے ہیں۔ اگر ملک میں معاشی وسائل پر صرف کچھ افراد کا قبضہ ہو تو باقی ماندہ آبادی نظام سے تعاون پر آمادہ نہیں ہوتی۔ غربت اور بے روزگاری انسانوں کو جرائم کی وادی میں دھکیلنے کا سبب بنتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دولت کی تقسیم منصفانہ ہو۔ ہر فرد اور خاندان کو اس کا جائز حق ملے۔ بے روزگاری کا خاتمہ ہو۔ محتاج اور معذور افراد کی کفالت ہوتی رہے اور ریاست کی جانب سے تعلیم، صحت اور سماجی بہبود جیسے کاموں میں گہری دلچسپی کا اظہار ہو تو قومی یک جہتی کی راہ ہموار ہوتی ہے اور ایک فلاحی معاشرے کی شکل ابھرتی ہے۔

IDEA BY FUTURE DISCIPLES YOUSEF AHMAD-03...815886

3۔ انتظامی مشینری

اگر جان و مال، عزت اور حقوق کی حفاظت کا صحیح بندوبست نہ ہو تو عوام سے تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ پولیس اور دیگر انتظامی شعبے اگر رشوت، سفارش اور اقربا پروری جیسی برائیوں کا شکار ہو جائیں تو عوام کو انصاف نہیں مل پاتا۔ ظاہر ہے کہ محرومیوں کے شکار عوام سے بھرپور جذبوں کی توقع نہیں کی جاسکتی اور ایسے معاشرے قائم نہیں رہ سکتے جہاں انصاف نہ مل رہا ہو۔ پاکستان میں قومی تقاضوں کی تکمیل کے لیے سرکاری افسروں کے کردار کو نئے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔

4۔ صوبائی عصبیت کے خاتمے کے لیے کوشش

وفاقی حکومت ایک صوبے کے شہریوں کو دوسرے صوبوں میں کاروبار، ملازمت اور تعلیم کے حصول کے لیے مواقع فراہم کرے۔ اس مقصد کے لیے طلبہ کو وظائف دیے جائیں۔ کاروباری رعائتیں مہیا ہوں اور سرکاری ملازمین کو دوسرے صوبوں میں زیادہ مراعات ملیں تو رفتہ رفتہ بین الصوبائی رابطوں کا سلسلہ بڑھتا جائے گا۔ اگر ایک صوبے کے افراد کو دوسرے صوبوں میں اکثر جانے کے مواقع ملتے رہیں تو وہ مشاہدہ کریں گے کہ ہر صوبے میں غربت بھی ہے اور محرومیاں بھی۔ نیز ہر صوبے میں استحصال کرنے والا طبقہ بھی موجود ہے۔

5۔ سیاستدانوں کا قومی یک جہتی میں مثبت کردار

سیاستدان اگر ذاتی اغراض اور جماعتی مفادات سے بلند ہو کر فیصلے کریں تو اتحاد و یگانگت کا مقصد پورا کرنے میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔ قومی مسائل پر سیاستدانوں کو اصولی موقف اختیار کرنا چاہیے۔ سیاسی جماعتیں جمہوریت کا لازم جز ہیں۔ جمہوری نظام کی کامیابی کا تقاضا ہے کہ سیاستدان مضبوط، فعال اور ملک گیر جماعتیں تشکیل دیں اور اپنے ذاتی فائدے کے لیے جماعت سے وفاداریاں ترک نہ کریں۔ منتخب ہونے والے رکن کا فرض ہے کہ وہ عوام کی آراء کا احترام کرے۔ اگر اپنی جماعت سے اصولی اختلاف پیدا ہو جائے تو بہتر ہے کہ وہ رکن اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو کر دوبارہ عوام کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-0340...

6۔ رواداری

اختلافِ رائے جمہوریت کی جان ہے۔ ہر فرد کو اپنا نقطہ نظر رکھنے اور بیان کرنے کا معاشرتی و سیاسی حق ہے لیکن قومی سلامتی اور یک جہتی کا تقاضا ہے کہ شہری اظہار رائے کا حق اجتماعی مفاد کے پیشِ نظر استعمال کریں۔ وہ اگر اپنی آراء کا احترام کروانا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ دوسروں کی رائے بھی تحمل سے سنیں۔ اتحاد اور ترقی کے لیے قومی مفادات کا دھیان رکھیں۔ فرد کی طرح تمام گروہوں، جماعتوں، فرقوں اور تنظیموں پر بھی لازم آتا ہے کہ وہ باہم رواداری کا ثبوت دیں۔ ''زندہ رہو اور زندہ رہنے دو'' کے مقولے پر عمل ہونا چاہیے۔

7۔ قوم سے وفاداری

پاکستان کے تمام شہریوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر وفاداریاں اپنے ملک و قوم کے ساتھ وابستہ کریں۔ ہر فرد کو چاہیے کہ وہ قومی مفادات کو پیش نظر رکھے اور شعوری و غیر شعوری طور پر کسی غیر ملک کے اشاروں پر عمل پیرا نہ ہوں بلکہ اپنے ملک کی خوشحالی کے لیے کام کریں۔

8۔ دوسروں کے حقوق کا احترام

دنیا کے کسی بھی معاشرے میں اگر حقدار کو اس کا حق نہیں ملتا اور غیر مستحق لوگ دوسروں کے حقوق پر قبضہ کر لیتے ہیں تو معاشرے میں بدگمانیاں اور مایوسیاں پھیلتی ہیں۔ میرٹ یا صلاحیت کا دھیان نہ رکھا جائے تو اچھے بھلے قانون پسند اور وفادار شہری بغاوت اور معاشرے سے بیگانگی کے جراثیموں کو جنم دیتے ہیں۔ ناانصافی خود معاشرے کے لیے بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

ضروری ہے کہ استحقاق کا احترام کیا جائے۔ معاشرے میں حقدار کو حق ملتا رہے تو متوازن اور منصفانہ ماحول قومی یک جہتی کو فروغ دینے میں معاون بنتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTOR TOUQEER AHMAD-03408815886

مشق

1. دیے گئے جوابات میں سے درست کا انتخاب کریں۔

i. پاکستان میں بدقسمتی سے تقریباً پہلے

ا۔ 8 سالوں تک آئین نہیں بنا۔

ب۔ 9 سالوں تک آئین نہیں بنا۔

ج۔ 10 سالوں تک آئین نہیں بنا۔

ii. 1956ء کا آئین چل سکا۔

ا۔ دو سال

ب۔ اڑھائی سال

ج۔ دس سال

iii. اختلافِ رائے

ا۔ جمہوریت کے لیے نقصان دہ ہے۔

ب۔ جمہوریت کی جان ہے۔

ج۔ لڑائی جھگڑے کا سبب ہے۔

2. مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

i. پاکستان میں سیاسی جماعتوں کا کردار

ii. قانون کی حکمرانی

iii. اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کا تصور

iv. قومی یک جہتی کے لیے معاشی عدل کی ضرورت

3. قومی یک جہتی کا کیا مفہوم ہے؟ وہ کون سے عناصر ہیں جو قومی یک جہتی کو فروغ دیتے ہیں؟

4. اسلامی جمہوری ریاست کی اہمیت پر روشنی ڈالیں؟

5. آپ کے خیال میں وہ کون سے مسائل ہیں جو پاکستان میں قومی یک جہتی کی راہ میں رکاوٹ ہیں؟

6. ہم قومی یک جہتی پیدا کرنے میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD 03499815886

باب نہم

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی اور ترقی

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TO USE FUHAD 03098115886

معاشی منصوبہ بندی کا تصور

عہدِ حاضر میں دنیا کے بیشتر ممالک جن مسائل سے دوچار ہیں ان میں سرِ فہرست غربت، بیماری، ناخواندگی، بے روزگاری، زرعی و صنعتی پسماندگی، پست معیارِ زندگی، غیر منصفانہ تقسیمِ دولت، گرانی و مہنگائی، افراطِ زر، بیرونی ادائیگیوں میں عدمِ توازن، غیر ملکی قرضوں کا بوجھ، بجٹ میں خسارہ وغیرہ ہیں۔

اگرچہ غربت و افلاس کا وجود زمانہ قدیم سے ہے لیکن اس سے چھٹکارہ پانے کی خواہش زمانہ حال کی پیداوار ہے، کیونکہ نہ صرف سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت وسائل کا بہتر استعمال ممکن ہوگیا ہے، بلکہ معاشی منصوبہ بندی کا تصور بھی بہت مقبول ہوگیا ہے اور بعض اقوام نے معاشی منصوبہ بندی کی بدولت قابلِ رشک ترقی کی۔

پاکستان میں منصوبہ بندی کی ضرورت واہمیت

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ اسے مختلف مسائل درپیش ہیں۔ مثلاً کم قومی پیداوار، ناکافی فی کس آمدنی، افراطِ آبادی، افراطِ زر اور سائنسی و تکنیکی معلومات کی قلت، ادائیگیوں کا خراب توازن، بیرونی قرضوں کا بوجھ، زراعت میں مشینوں کا کم استعمال، درآمد و برآمد میں عدمِ توازن، بے روزگاری، تقسیمِ دولت کا ناقص نظام وغیرہ۔ ان تمام مسائل کا علاج ہے "معاشی منصوبہ بندی"۔

پاکستان میں اقتصادی منصوبہ بندی کی ضرورت واہمیت درج ذیل باتوں سے واضح ہوجاتی ہے۔

1 نجی شعبہ کی کمزوریاں

پاکستان میں نجی شعبہ کے تاجر اور صنعتکار اپنے مخصوص اور محدود مقاصد کے پیشِ نظر ہی معاشی

سرگرمیاں اختیار کرتے ہیں اور ایسے تمام شعبے نظر انداز کر دیتے ہیں جو ملکی معیشت کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے کاموں کے لیے یا تو کثیر مقدار میں سرمایہ کاری درکار ہوتی ہے یا ان سے نفع دیر کے بعد حاصل ہوتا ہے یا ان سے حاصل ہونے والے نفع کی شرح کم ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ حکومت منصوبہ بندی کر کے قومی نقطہ نگاہ سے معاشی ترقی اور مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کی راہ متعین کرے۔

2۔ سرمائے کی قلت

پاکستان میں سرمائے کی قلت ہے۔ جس کے باعث بڑے بڑے صنعتی اور ترقیاتی منصوبے مکمل نہیں ہو پاتے۔ اس کام کے لیے بھی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو سرمایہ کاروبار میں لگانے کی ترغیب دی جائے۔ ہمارے ہاں دولت مند لوگ، اپنی دولت کا بیشتر حصہ عیش و عشرت، زیورات، وسیع بنگلہ جات، نمود و نمائش، رسم و رواج اور فضول اخراجات میں ضائع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ منصوبہ بندی کے تحت ملک میں کفایت شعاری اور سرمایہ کاری کی مہم چلائی جائے۔

3۔ تقسیمِ دولت کی اصلاح

پاکستان میں منصوبہ بندی کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ آمدنی و دولت کی تقسیم میں وسیع فرق کو کم کیا جا سکے کیونکہ یہ معاشی اور سماجی ترقی میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ اس وقت زمین کی ملکیت میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ نہ صرف ناپسندیدہ بلکہ نقصان دہ بھی ہے۔ دولت اور ذرائع پیداوار کا چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے عام شہری کے مفاد کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ منصوبہ بندی کے ذریعے ان حالات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

بے جا مصرف پر کنٹرول

ہمارے ہاں مالدار طبقہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتا ہے اور فضول خرچی کرتا ہے۔ اس فضول خرچی کے دو نقصانات ہیں۔

I ۔ ملک کے محدود اور قیمتی ذرائع بڑی بے دریغی سے غیر پیداواری مقاصد کے لیے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

استعمال ہو کر ضائع ہوتے ہیں۔

ii۔ نچلے طبقے میں بے زاری، بددلی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے۔

چنانچہ امراء کو اس سے باز رکھنے کے لیے مناسب اقدامات اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

5۔ بے روزگاری میں کمی

پاکستان میں بے روزگاری روز بروز بڑھ رہی ہے۔ نجی شعبہ میں زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع پیدا کیے جائیں۔ ٹیکنیکل تعلیم کے حصول پر توجہ دی جائے اور نجی شعبے میں ملازمت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس پر قابو پانے کے لیے منصوبہ بندی کی ازحد ضرورت ہے۔

6۔ بیرونی قرضہ اور سرمایہ کاری

معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ترقیاتی پروگراموں کے لیے کس قدر بیرونی امداد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو مختلف پروجیکٹس کی تکمیل کے لیے سرمایہ کاری کی ترغیب دی جا سکتی ہے۔ نیز بین الاقوامی مالی اداروں سے قرضہ لیا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مقاصد حاصل کیے جا سکیں جو ترقی پذیر ممالک کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ مثلاً قومی آمدنی میں اضافہ، فی کس آمدنی میں اضافہ، روزگار میں اضافہ، غذائی پیداوار میں خود کفالت، قیمتوں میں استحکام، افزائش سرمایہ کی بلند شرح، ادائیگیوں کے توازن کی اصلاح وغیرہ۔

زراعت اور معیشت

پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔ ہماری معیشت میں زراعت کو اہمیت کے اعتبار سے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ پاکستان کی آبادی کا بیشتر حصہ زراعت سے روزی کماتا ہے اور باقی لوگ دوسرے پیشوں سے یعنی صنعت و تجارت، مواصلات، تعمیرات اور خدمات وغیرہ سے روزی کماتے ہیں۔ دیہات میں بسنے والے 67 فی صد لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ زراعت پر گزارہ کرتے ہیں۔ 03-2002ء میں جی ڈی پی (Gross Domestic Products) کا 24 فی صد زراعت سے حاصل ہوا ہے۔ زراعت ملک کی

MRCRT BY FUTURE DOCTORS TO USE FAHMED-03498815886

بہت سی صنعتوں کے لیے خام مال بھی مہیا کرتی ہے۔ پاکستان میں صنعت کا دارومدار بھی زراعت پر ہے کیونکہ اس سے کسانوں کی آمدنی بڑھے گی، اُن کی قوت خرید میں اضافہ ہوگا۔ اس طرح نئے کارخانے قائم ہوں گے۔ اس وقت صنعتوں کی پیداوار کا 60 فی صد حصہ زراعت پر مشتمل ہے۔

زرعی ترقی

جدید آلات

زرعی پیداوار بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ کاشت کار جدید مشینی آلات کا استعمال کریں۔ اس وقت ہمارے ملک میں مشینی کاشت چھوٹے پیمانے پر ہے۔ ان مشینوں میں کمبائن ہارویسٹ تھریشر، ٹیوب ویل اور ٹریکٹر وغیرہ شامل ہیں۔

کیمیائی کھاد

اب کاشت کار کھاد کے زیادہ سے زیادہ استعمال کی جانب راغب ہو رہے ہیں۔ 53-1952ء کے دوران ایک ہزار ٹن کھاد استعمال کی گئی جبکہ 03-2002ء میں چوبیس لاکھ ٹن کھاد استعمال کی گئی۔

اچھے بیجوں کا استعمال

پیداوار بڑھانے کے لیے خالص اور اعلیٰ بیجوں کا استعمال ضروری ہے۔ 03-2002ء میں 148 ٹن اصلاح شدہ بیج کسانوں میں تقسیم کیے گئے۔ پاکستان میں بیجوں کی فراہمی اور تقسیم کے لیے چار سرکاری شعبوں کی تنظیمیں موجود ہیں۔

پودوں کی بہتر حفاظت

ہمارے ہاں زرعی فصلوں کا 25 فی صد حصہ نباتاتی بیماریوں کے باعث ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کا حل ضروری ہے۔ حکومت کا محکمہ تحفظِ نباتات فصلوں پر نیچے سے یا فضا سے دوائیں چھڑکنے کا انتظام کرتا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03099815626

زرعی قرضہ کی بہم رسائی

مختلف زرعی آلات خریدنے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن پاکستان کے کاشت کار بہت غریب ہیں۔ اس مقصد کے لیے زرعی ترقیاتی بنک قائم کیا گیا جو کہ کسانوں کو آسان شرائط پر قرضہ دیتا ہے۔

بہتر آب پاشی

پاکستان میں کاشت کا 67 فی صد حصہ مصنوعی آب پاشی سے سیراب ہوتا ہے اور باقی بارشوں سے۔ آب پاشی کا سب سے بڑا ذریعہ نہریں ہیں۔ دوسرے نمبر پر ٹیوب ویل ہیں۔ پاکستان میں نہروں سے پانی ضائع ہوتا ہے۔ اس کی بحالی کے لیے پروگرام بنایا گیا ہے۔ سیم و تھور کو ختم کرنے کے لیے سکارپ (SCARP) کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

زرعی پیداوار کی فروخت

کھیت سے منڈی تک ناقص سڑکیں، کمیشن ایجنٹوں کے ہتھکنڈے اور گوداموں کی قلت کی وجہ سے پاکستان کے کاشت کاروں کو بہت مسائل درپیش ہیں۔ چنانچہ ایسے ادارے قائم کیے گئے جو براہِ راست کاشت کار سے پیداوار خریدتے ہیں۔

قابل کاشت رقبہ میں اضافہ

پاکستان میں زیرِ کاشت رقبہ کا چالیس فی صد بیکار پڑا ہے۔ اگر اسے کاشت کے قابل بنالیا جائے تو مجموعی زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے حکومت مختلف اقدامات لے رہی ہے۔

امدادی قیمت پالیسی

اس پالیسی کے تحت حکومت کسانوں سے اُن کی پیداوار معقول قیمت پر خود خرید لیتی ہے تاکہ جس سال فصل زیادہ ہوجانے سے زرعی پیداوار کی قیمتیں گر جائیں تو کسان کو اُس نقصان سے محفوظ رکھا جاسکے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEEF AHMAD 03499815886

زرعی تعلیم و توسیع

حکومت نے زرعی تعلیم کے فروغ کے لیے پشاور، فیصل آباد، راولپنڈی، لاہور، کراچی اور کوئٹہ میں زرعی یونیورسٹیاں قائم کی ہیں۔ جہاں تعلیم کے علاوہ زرعی مسائل پر تحقیقی کام بھی کیا جاتا ہے۔

صنعتی ترقی اور معیشت

پاکستان صنعتی اعتبار سے پس ماندہ ملک ہے اور اسے یہ مسائل درپیش ہیں:۔

1۔ پاکستان کی صنعتی پسماندگی کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں ایسی معدنیات کی قلت ہے جو صنعتی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً تیل، اعلیٰ قسم کا کوئلہ اور خام لوہا وغیرہ۔

2۔ پاکستان کی صنعتی ترقی کے لیے ہمیں مشینیں غیر ممالک سے منگوانا پڑتی ہیں۔ ہمارے ملک کی برآمدات کم ہیں، اس لیے ہمیں اتنا زرِ مبادلہ حاصل نہیں ہوتا ہے کہ ضرورت کے مطابق مشینیں درآمد کر سکیں۔

3۔ صنعتیں چلانے کے لیے خاص قسم کا تربیت یافتہ عملہ درکار ہوتا ہے۔ جس کی پاکستان میں کمی ہے۔ لہٰذا صنعت زیادہ ترقی نہیں کر سکی۔

4۔ صنعتی ترقی کے لیے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہمارے ہاں ایسے اداروں کی کمی ہے جو صنعتوں کو قرضہ مہیا کر سکے۔

5۔ آمدورفت کے ذرائع بھی صنعتی ترقی کے لیے بہت ضروری ہوتے ہیں تاکہ خام مال کارخانوں تک پہنچایا جاسکے اور ان کی مصنوعات منڈی میں برائے فروخت لائی جاسکیں۔ لیکن پاکستان میں ابھی بھی ذرائع آمدورفت پس ماندہ ہیں۔

6۔ جب سے پاکستان قائم ہوا ہے سیاسی اور معاشرتی حالات پرسکون نہیں رہے۔ ملک کو استحکام نہیں مل سکا۔ اس لیے صنعتی ترقی متاثر ہوئی ہے۔

7۔ 1972ء میں حکومت نے بہت سی صنعتوں کو اور 1974ء میں تمام نجی کمرشل بینکوں کو قومی تحویل میں لے لیا جس کے باعث صنعتکاروں اور بینکاروں کی حوصلہ شکنی ہوئی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TEEF AHMED 03491588

صنعتکاروں کو اب بھی یہ اندیشہ ہے کہ کہیں آئندہ حکومت دوبارہ صنعتوں اور دیگر معاشی اداروں کو قومی تحویل میں نہ لے۔ اس لیے وہ صنعتی میدان میں سرمایہ کاری نہیں کرتے۔

8- ملک کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حالات صنعت افروزی کے لیے سازگار نہیں رہے۔ ایک طرف سرکاری محکموں میں زبردست بدعنوانیاں ہیں اور دوسری طرف حکومت نے بلند شرح سے ٹیکس وغیرہ لگا رکھے ہیں جو صنعتی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

9- پاکستانی معیشت کی ابتری کے باعث غیر ملکی کرنسی کے مقابلے میں ہمارے روپیہ کی قدر مسلسل گرتی گئی۔ جس کی وجہ سے صنعتوں کے لیے بیرونی ممالک سے درآمد کیے جانے والے خام مال، فاضل پرزے اور مشینری وغیرہ کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

صنعتی ترقی کے لوازمات

1- ملکی مال کی فروخت کے لیے قومی اور بین الاقوامی منڈیوں کا خوش اسلوبی سے جائزہ لینا۔

2- ملک کے اندر عاملین پیدائش کے وافر یا کم ہونے کا جائزہ لینا (یعنی ملک میں مزدور زیادہ ہیں یا سرمایہ۔ مثال کے طور پر پاکستان میں مزدوروں کی وافر مقدار ہے مگر سرمائے کی کمی ہے)۔

3- صنعتی منصوبے کے سائز اور نوعیت کا جائزہ۔

4- ملک میں صنعتی ترقی پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا جائزہ لینا (جیسے کہ ملک میں روزگار مہیا کرنے کے مواقع کا جائزہ)۔

5- ملک میں مہارت یافتہ افراد کا جائزہ اور دوسرے ممالک کے لوگوں میں پائی جانے والی مہارتوں کا جائزہ۔

6- ملک میں قومی آمدنی کی پیداوار کی نوعیت کا جائزہ۔

7- ملک کی بیرونی ممالک کے ساتھ توازن ادائیگی کی نوعیت کا جائزہ۔

8- ملکی برآمدات کی نوعیت کا جائزہ لینا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- TOUSEEF AHMAD-03499815886

پاکستان کی صنعتی ترقی بڑھانے کے لیے اقدامات

1۔ ذرائع نقل وحمل کا بہتر استعمال کیا جائے۔
2۔ زراعت کو ترقی دی جائے۔
3۔ قدرتی ذرائع کا اچھے طریقے سے استعمال کیا جائے۔
4۔ بیرونی منڈیوں تک مال پہنچانے کی صلاحیت حاصل کی جائے۔
5۔ بینکاری کے ذرائع کو فروغ دیا جائے۔
6۔ ٹیکنالوجی کی قلت کو دور کیا جائے۔
7۔ توانائی کے وسائل سستے ہونے چاہییں۔
8۔ ملکی حالات میں استحکام ہونا چاہیے۔
9۔ آبادی کو تیزی سے بڑھنے سے روکا جائے۔
10۔ ادائیگیوں کا توازن درست کیا جائے۔
11۔ ہنرمند افرادی قوت میں اضافہ کیا جائے۔
12۔ حکومت کی پالیسیوں میں تسلسل ہونا چاہیے۔
13۔ ملک میں تعلیم کا معیار بہتر کیا جائے۔

معیشت میں تجارت کا کردار

برآمدات

معیشت میں برآمدات ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس طرح نہ صرف زرِ مبادلہ حاصل ہوتا ہے بلکہ ایسی اشیاء بھی ملتی ہیں جو معیشت کے فروغ کے لیے ضروری ہیں۔ جیسے جیسے پاکستان صنعتی اعتبار سے ترقی کرتا گیا اس کی برآمدات کی ہیئت بدلتی گئی۔ پہلے پہل زرعی نوعیت کی اشیاء زیادہ برآمد ہوتی تھیں لیکن اب مصنوعات کا حصہ بڑھ گیا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- TOUQEER AHMAD-03499815886

پاکستان کی برآمدات

2002ء۔2001ء میں پاکستان کی کل برآمدات 7.5 ملین روپے تھی۔ پاکستان بین الاقوامی دنیا میں سوتی دھاگہ، سوتی کپڑا، بنے ہوئے کپڑے، ریڈی میڈ گارمنٹس، بستر کی چادریں، ٹیکسٹائل، چاول، چمڑے کا سامان، قالین، کھیلوں کا سامان، پٹرولیم کی اشیاء، آلاتِ جراحی (سرجیکل انسٹرومنٹ)، مچھلی اور مچھلی کے تیل کے علاوہ دیگر اشیاء امریکہ، یورپ، جاپان، ہانگ کانگ، دبئی، سعودی عرب اور دیگر ایشیائی اور افریقہ کے ممالک کو برآمد کرتا ہے۔

پاکستان کی درآمدات

پاکستان کی درآمدات میں مشینری، ٹرانسپورٹ کا سامان، کھادیں، کیمیکلز، رنگ، ادویات، لوہا اور لوہے کا سامان، صنعتی خام مال، چائے، سٹیشنری، کھانے کا تیل، نقل وحمل کا سامان اور دفاعی سامان وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان یہ چیزیں زیادہ تر چین، جاپان، امریکہ، کویت، سعودی عرب اور ملائیشیا کے علاوہ دیگر ایشیائی، یورپی اور افریقی ممالک سے منگواتا ہے۔

معیشت میں قدرتی وسائل کا کردار

کسی ملک کی اقتصادی خوشحالی میں اس ملک کے قدرتی ذرائع کو نمایاں عمل دخل حاصل ہوتا ہے۔ قدرتی وسائل سے مراد قدرت کی طرف سے عطا کردہ ایسے تمام وسائل وعوامل ہیں جو پیدائش دولت اور زندگی کی دوسری سہولتیں فراہم کرنے میں مددگار رہوں۔ مثلاً آب وہوا، جنگلات، پانی، معدنی وسائل اور حیوانات، افرادی قوت، پہاڑ وغیرہ۔

پاکستان کی معیشت کا انحصار زیادہ تر زراعت پر ہے۔ اور اس کی زرعی پیداوار کا دارومدار بڑی حد تک مٹی (Soil) کی نوعیت پر ہے۔ پاکستان میں ہر قسم کی مٹی موجود ہے۔ اس میں چکنی، پتھریلی، ریگستانی، دلدلی، ریتلی مٹی سب شامل ہیں۔ ملک میں زرخیز زمینوں کی بھی کمی نہیں۔ لیکن قابل کاشت اراضی مجموعی رقبہ کے مقابلہ میں کم ہے۔ پاکستان کی زرعی ترقی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ زیادہ سے زیادہ رقبہ کو زیر کاشت لایا جائے اور

PRODUCT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498115686

جدید آلات کاشتکاری کا استعمال عام کیا جائے۔ مزید برآں سیم وتھور کا سدِ باب کیا جائے اور فصلوں کے امراض کی بیخ کنی کی جائے۔

کسی ملک کی معاشی ترقی میں جنگلات کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ ماہرین اقتصادیات کی رائے کے مطابق ہر ملک کا کم از کم ایک چوتھائی رقبہ جنگلات سے ڈھکا ہونا چاہیے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان میں جنگلات کی بہت کمی ہے۔ جنگلات کے متعدد فوائد ہیں۔ جنگلات سے ایندھن اور عمارتی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔ جنگلات بہت سی صنعتوں کے لیے خام مال فراہم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ درخت آب وہوا کو معتدل بنانے میں مددگار ہوتے ہیں۔ جنگلات حیوانات کے لیے بہترین چراگاہ کا کام دیتے ہیں۔ نیز یہ جنگلی جانوروں کی افزائش کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جن علاقوں میں درخت زیادہ ہوں وہاں آندھیوں کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ درخت زمین کی زرخیزی کا باعث بھی بنتے ہیں۔

معدنی وسائل اور معیشیت

معدنیات قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہیں۔ جن ممالک کے پاس معدنی ذخائر کی کثرت ہے وہاں کی معیشت بھی کافی مستحکم ہے۔ زرعی وصنعتی ترقی کا انحصار بڑی حد تک معدنی وسائل کی موجودگی پر ہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمام معدنی وسائل سے پوری طرح استفادہ کیا جائے۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معدنی وسائل سے نوازا ہے۔ ان معدنیات میں خام لوہا، کرومائیٹ، تانبا، معدنی نمک، چونے کا پتھر، جپسم، سنگِ مرمر، چینی اور آتشی مٹی، کوئلہ، قدرتی گیس اور خام تیل وغیرہ شامل ہیں۔

قدرتی ذرائع کا تحفظ

ا۔ پاکستان کی آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس آبادی کا بیشتر حصہ غریب ہے اور دیہی علاقوں میں رہتا ہے جہاں ناخواندگی کی شرح زیادہ ہے۔ یہ لوگ عموماً اُس زمین کے حصوں پر رہتے ہیں جس کی پیداواری صلاحیت کم ہوتی ہے۔ ان کے کاشت کرنے کے طریقے پرانے اور فرسودہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اور ان کے مویشی اپنے ایندھن اور چارے کے لیے آس پاس کے درختوں اور پودوں کو تباہ کرتے رہتے ہیں جس سے قدرتی ذرائع

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUQEEF AHMED-03498158

(زمین اور جنگلات) ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے شہروں میں شور، ماحولیاتی آلودگی اور آب و ہوا میں گندگی پھیل رہی ہے جس سے نہ صرف بیماریاں پھیلتی ہیں بلکہ قدرتی ذرائع بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

۲۔ پاکستان میں پانی کے وافر ذرائع ہیں مگر ہر سال کافی پانی ضائع ہو جاتا ہے اور کھیتوں تک نہیں پہنچتا۔ اس کے علاوہ کیمیائی کھادوں کی آلودگی اور شہروں کی گندگی بھی دریاؤں میں جاتی ہے۔ جس سے ہمارے دریاؤں کے پانی آلودہ ہو رہے ہیں۔ دریاؤں کی آلودگی سے دریاؤں کے جانور اور مچھلیاں مر جاتی ہیں۔ ملک کے تقریباً 60% لوگوں کو پینے کا صاف پانی مہیا نہیں ہے۔ اس لیے کہ قدرت کا یہ بہت بڑا ذریعہ (پانی) ضائع ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے زرعی پیداوار کم ہوتی جا رہی ہے اور قحط سالی کے مسئلے کا خدشہ بھی پیدا ہو رہا ہے۔

۳۔ صنعتوں اور کاروباری ضروریات کے لیے جنگلات کا بے تحاشا کٹاؤ ہو رہا ہے۔ اس سے ملکی جنگلات کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ ملک میں آنے والے وقتوں میں جنگلات ختم ہو جائیں گے۔ جس کی وجہ سے ہوا کی آلودگی، پانی کی آلودگی، لکڑی کی پیداوار میں کمی، موسم میں گرمی، بیماریاں اور چرند پرند کے ختم ہونے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

۴۔ جب انسان اپنی ضروریات کے لیے صنعتیں لگاتے ہیں، سڑکیں بناتے ہیں، ڈیم تعمیر کرتے ہیں تو قدرت کا بہت سارا علاقہ (زمین) کم پڑ جاتا ہے۔

۵۔ اسی طرح جب ہم اپنے گھروں میں مچھر اور کیڑے مکوڑے مارنے کے لیے یا کھیتوں میں سنڈیاں وغیرہ مارنے کے لیے کیڑے مار ادویات استعمال کرتے ہیں تو اس کا یہ ڈر ہوتا ہے کہ یہ ادویات نہ صرف جانداروں کی اُن اقسام کو ختم کریں گی جو انسان کے لیے اور اس کی زرعی پیداوار کے لیے نقصان دہ ہیں بلکہ وہ اقسام بھی ختم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے جو انسان کی زندگی اور اس کی زراعت کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم مفید جاندار اشیاء کی حفاظت کریں تا کہ ہماری زندگی اور ہماری پیداواری صلاحیت

MDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEF AHMAD-03499815886

کے لیے وہ معاون ثابت ہوسکیں۔

۶۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معدنی ذرائع سے نوازا ہے۔ ان معدنیات میں خام لوہا، کرومائیٹ، تانبا، معدنی نمک، چونے کا پتھر، جپسم، سنگِ مرمر، چینی اور آتشی مٹی، کوئلہ، قدرتی گیس اور خام تیل وغیرہ شامل ہیں۔ صنعتوں کو توانائی دینے کے لیے کوئلہ، خام تیل اور قدرتی گیس استعمال ہوتی ہے۔ ڈر ہے کہ صنعتوں میں اُن کے بے تحاشا استعمال سے ان کے ذخائر کم یاب نہ ہو جائیں۔ اس کے لیے مناسب منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

۷۔ سائنس کی ترقی نے ہماری زندگی کو بہت آسان بنانے کے نت نئی ایجادات کی ہیں اور ہمیں طرح طرح کی مشینیں اور سہولتیں حاصل ہوگئی ہیں تاکہ انسانی زندگی آرام دہ ہو جائے، ان سہولتوں کی وجہ سے انسان آرام طلب ہوگیا ہے اور اس کی توجہ قدرتی ذرائع کی حفاظت سے ہٹتی جارہی ہے۔

تعلیم (Education) اور معیشت

تعلیم، معاشی اور معاشرتی ترقی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس لیے انسانی وسائل کو ترقی دینے اور معاشی و معاشرتی ترقی کے لیے تعلیم کے شعبے میں مناسب سرمایہ کاری نہایت اہم ہے۔ پاکستان میں حکومت نے ہر پانچ سالہ منصوبے میں تعلیم پر خاصی توجہ دینے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ لیکن مختلف وجوہات کی بناء پر وہ نتائج سامنے نہیں آئے جو تعلیم کے میدان میں آنے چاہیے تھے۔

قومی تعلیمی پالیسی 1998ء-2010ء

قومی تعلیمی پالیسی کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ ناخواندگی کے خلاف جہاد کرنا

2۔ اکیسویں صدی کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے نصاب میں تبدیلی کرنا۔

3۔ کمپیوٹر کی تعلیم کا سکولوں میں اجراء اور تکنیکی تعلیم پر زور۔

4۔ دیہی اور شہری اور زنانہ و مردانہ کے تعلیمی اداروں کے فرق کو کم کرنا

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD 03499815886

5۔ تمام سطحوں کی تعلیم کیلیے آسانیاں پیدا کرنا۔

6۔ پرائیویٹ سیکٹر کو تعلیم کی مد میں سرمایہ کاری کے لیے ترغیب دینا۔

7۔ اعلیٰ تعلیم کو بین الاقوامی تعلیمی معیار تک لے جانا۔

8۔ تحقیق اور سائنسی تعلیم کو جدید سطح پر استوار کرنا۔

9۔ مستحق طلبہ کی مالی امداد کرنا۔

10۔ امتحانات کے طریقہ کار کو شفاف بنانا۔

11۔ لائبریریوں کو مزید بہتر بنانا اور وسیع کرنا۔

نئی قومی تعلیمی پالیسی کا بنیادی مقصد قوم کو اکیسویں صدی کے چیلنجوں کے لیے تیار کرنا ہے۔ اس پالیسی کے مطابق پرائمری تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ پرائمری تعلیم کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے لیے پینتالیس ہزار نئے پرائمری تعلیم کے لیے سکول کھولے جائیں گے اور ایک لاکھ سے زیادہ نئے اساتذہ کی بھرتی کی جائے گی۔ اس کام کے لیے دو سو اٹھاسی ارب روپے رکھے گئے ہیں۔ اس پالیسی کے تحت پہلے سے موجود بیس ہزار پرائمری سکولوں میں ڈبل شفٹ کا اجراء کیا جائے گا تا کہ بچوں کو زیادہ سے زیادہ داخلہ دیا جاسکے۔ موجودہ پرائمری نصاب میں تبدیلیاں کر کے اس کی اصلاح کی جائے گی تا کہ یہ نئے دور کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔

آئندہ چھٹی جماعت میں نئے مضامین متعارف کرائے جائیں گے۔ ان میں ٹیلی کمیونیکیشن (مواصلات)، کمپیوٹر و انفارمیشن ٹیکنالوجی، پٹرولیم، ٹیکسٹائل، زراعت اور دیگر مختلف صنعتوں کے متعلق مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اس طرح نئے دور کی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد ملے گی۔

اگلے پانچ سالہ منصوبے کے تحت مڈل سکول کے طلبہ کی تعداد میں اضافہ کیا جائے گا اور انیس ہزار سیکنڈری سکول اور سات سو پچاس ہائیر سیکنڈری سکول قائم کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی قائم کی جائے گی۔ جو سکولوں کے معاملات اور امور کی نگرانی کرے گی۔ اس میں مقامی آبادی سے لوگوں کو شامل کیا جائے گا تا کہ سکولوں کو مقامی حالات کے مطابق چلایا جاسکے۔ اس پالیسی میں کہا گیا ہے کہ پیشہ ورانہ اور فنی تعلیم کے نصاب میں تبدیلیاں کی جائیں گی تا کہ اس کو موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق بنایا جاسکے اور ایک سو چھبیس نئے ٹیکنیکل ادارے بنائے جائیں تا کہ ٹیکنیکل تعلیم کو فروغ

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUFEEL AHMED-03498815886

ملے۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں طلبہ کے داخلے اور اساتذہ کی بھرتی کے لیے نیشنل ٹسٹنگ سروس (NTS) کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ جس طرح ملک میں میٹرک سائنس کا نظام ہے اسی طرح میٹرک ٹیک کا انتظام بھی کیا جائے گا۔

اس نئی پالیسی کے مطابق جماعت اول سے بی۔اے تک اسلامیات لازمی ہوگی تا کہ ہر بچہ اسلامی قوانین اور اصولوں سے آگاہ ہو سکے اور آٹھویں جماعت تک قرآن پاک کی ناظرہ لازمی ہوگی۔ دینی مدارس میں دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ سائنس، اقتصادیات اور معاشرتی علوم کی تعلیم بھی لازمی ہوگی۔ اس پالیسی میں کہا گیا ہے کہ ملک میں مزید اکیس یونیورسٹیاں، پانچ سو ڈگری کالجز اور دو سو پچاس پیشہ ورانہ کالج کھولے جائیں گے۔

ملک میں دو سالہ کورس کے ساتھ ساتھ چار سالہ بی۔اے/بی۔ایس۔سی آنرز کورس بھی شروع کیا جائے گا۔ اس پالیسی کے تحت ہر سال ایک سو ذہین طلباء کو بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجا جائے گا۔ اُن کا سارا خرچ حکومت برداشت کرے گی۔ اعلیٰ تعلیمی تحقیق کے لیے نئے تحقیقی مراکز قائم کیے جائیں گے جبکہ پرانے تحقیقی مراکز کی بہتری کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔ تعلیم کو عام کرنے کے لیے پرائیویٹ شعبہ کو فعال بنایا جائے گا تا کہ نئے تعلیمی ادارے زیادہ سے زیادہ قائم ہو سکیں۔

اس پالیسی کی نمایاں بات امتحانات اور نتائج کی تیاری میں نقل، بوٹی مافیا اور ہیر پھیر کا مکمل خاتمہ کرنا تھا اور اس پر 90% عمل بھی ہو چکا ہے۔

صحت (Health) اور معیشت

جس طرح فرد کی زندگی میں تندرستی ایک نعمت ہے اسی طرح قومی زندگی میں پورے معاشرے کی صحت ایک نعمت سے کم نہیں۔ ایک تندرست آدمی جس طرح اپنی استعداد کار بڑھا کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے اسی طرح معاشرہ کے عام لوگوں کی اچھی صحت قومی ترقی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ جس معاشرہ میں بیماریاں عام ہوں وہاں ترقی کی رفتار مدہم پڑ جاتی ہے۔ اس سے کئی معاشی اور معاشرتی مسائل جنم لیے ہیں۔ تندرست افراد صحت مند معاشرے کی تعمیر کرتے ہیں جو ایک اعلیٰ جمہوری نظام کے لیے ناگزیر ہے۔

حکومت کے اقدامات

حکومت نے صحتِ عامہ کو بہتر بنانے کی طرف کافی توجہ دی ہے۔اس مقصد کی خاطر پانچ سالہ منصوبوں میں کثیر رقوم مخصوص کی جاتی ہیں۔حکومت کے اقدامات کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

1۔ ہمارے ملک میں ہر سال ہزاروں افراد چیچک کا شکار ہو جاتے تھے۔جن میں بچوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔حکومت نے عالمی ادارہ صحت کے تعاون سے اس مرض کی روک تھام کے لیے کافی مستعدی کا ثبوت دیا ہے۔اس وقت یہ بیماری مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔

2۔ پاکستان میں چونکہ ہر سال بعض علاقوں میں ملیریا وبائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔اس لیے حکومت نے انسدادِ ملیریا کی طرف خصوصی توجہ دی اور ایک جامع پروگرام وضع کیا گیا۔جس پر ہر سال کثیر روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔

3۔ تپ دق ایک نہایت موذی مرض ہے۔ہمارے ہاں پست معیارِ زندگی اور غربت و افلاس کی وجہ سے متعدد لوگ اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ایک اندازے کے مطابق ہر سال ہزاروں افراد اس مرض کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں۔تپ دق کا علاج کافی مہنگا ہے جب کہ اس کا شکار بالعموم غریب لوگ ہوتے ہیں۔عالمی ادارہ صحت کی مدد سے حکومت ہر سال بی۔سی۔جی کے ٹیکے لگاتی ہے۔ملک کے ہر حصے میں تپ دق کے مراکز قائم ہیں جہاں مفت دوا تقسیم ہوتی ہے۔انسدادِ تپ دق کے سلسلہ میں عوام کو بچاؤ اور حفاظتی تدابیر سے آگاہ کرنے کے لیے ہر سال ہفتہ تپ دق منایا جاتا ہے۔

4۔ پاکستان میں عورتوں اور بچوں کی شرح اموات بلند ہے۔اس مقصد کی خاطر بہبودِ اطفال اور زچہ بچہ کے مراکز کھولے گئے ہیں۔بین الاقوامی ادارہ بہبودِ اطفال بھی سامان اور ادویات کی صورت میں اس قسم کے مراکز کو امداد فراہم کرتا ہے۔علاوہ ازیں حکومت نے لاہور، کراچی، راولپنڈی اور پشاور میں دائیوں کی تربیت کے لیے مراکز کھول رکھے ہیں۔

5۔ ہمارے ملک میں جذام یعنی کوڑھ کی بیماری بھی بعض علاقوں خاص طور پر پہاڑی علاقوں (جن میں چترال وغیرہ کا علاقہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے) میں پائی جاتی ہے۔جذام کے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS - DOCTOR AHMAD-03499815886

علاج کے لیے کراچی کے قریب منگھو پیر میں ایک ہسپتال اور ملک کے دوسرے شہروں میں مراکز قائم ہیں۔

6۔ ہمارے ملک میں ڈاکٹروں کی شدید کمی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ملک میں صرف تین میڈیکل کالج قائم تھے لیکن اب ان کی تعداد میں اضافہ ہو چکا ہے۔ کراچی، لاہور، اسلام آباد، ملتان اور پشاور میں جوہری توانائی سے علاج کے سنٹر قائم ہیں۔ علاوہ ازیں نرسوں کی تعلیم و تربیت کے متعدد ادارے قائم ہیں۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی (Information Technology)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TO SELF HUMAIR-03499815886

انفارمیشن ٹیکنالوجی سے کمپیوٹر میں کسی بھی چیز کے بارے میں بامعنی حقائق اور معلومات کا مجموعہ (ڈیٹا) ذخیرہ کرنا، انٹرنیٹ کمپیوٹروں کا بین الاقوامی جال (Network) آلاتِ ترسیل معلومات و اطلاعات مراد لی جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے آواز، ڈیٹا اور کمپیوٹر کے ذریعے معلومات تک رسائی و ترسیل کرنا۔ اس ضمن میں انفارمیشن ٹیکنالوجی ہارڈویر (Hardware)، سافٹ ویر (Software) سروس اور امدادی آلات کا استعمال کرتی ہے۔

پاکستان میں پچھلے چند سالوں سے حکومت اور نجی اداروں نے آئی ٹی (انفارمیشن ٹیکنالوجی) کو حکومت اور پرائیویٹ اداروں میں متعارف کرانے کے لیے کافی اقدامات کیے ہیں۔ حکومت کے آئی ٹی کی ترقی کے لیے کیے گئے اقدامات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:-

1۔ انٹرنیٹ کے استعمال کی توسیع اور ڈیٹا کمیونیکیشن کے استعمال کے اضافے کی حوصلہ افزائی۔

2۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی اور سافٹ ویر انڈسٹری کو برآمد کے قابل بنانا۔

3۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دانشوروں کے لیے ایک بڑے پول کا قیام۔

4۔ سکولوں اور کالجوں میں کمپیوٹر کورس متعارف کرانا۔

5۔ وزارتِ سائنس و ٹیکنالوجی کے تحت آئی ٹی کے شعبے کو ڈویژن کا درجہ دینا۔

پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی

قومی معیشت اور عوام کی خوشحالی کے لیے ملکی وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال کرنے کا نام منصوبہ بندی کہلاتا ہے۔ منصوبہ بندی کی پالیسی معاشی ترقی کے لیے مرتب کی جاتی ہے تاکہ ملک کے باشندوں کو خوش حال زندگی گزارنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ یہ اُسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے جبکہ ملکی پیداوار میں اضافہ کرکے قومی آمدنی کو اس حد تک بڑھایا جائے کہ قومی آمدنی میں اضافے کی شرح، افزائش آبادی کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ معاشی منصوبہ بندی کے لیے ایک قومی منصوبہ بندی کمیشن ہوتا ہے جو ملکی وسائل کو بڑھانے اور ترقی دینے کے لیے ایک جامع منصوبہ بناتا ہے۔

پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (1955ء تا 1960ء)

1955ء میں پاکستان میں پہلی مرتبہ جامع معاشی منصوبہ بندی کا آغاز کیا گیا اور پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ 1955ء تا 1960ء پیش کیا۔ اس منصوبے کے بنیادی مقاصد اور اُن کے اہداف کے اہم نکات درج ذیل ہیں:-

1۔ قومی آمدنی میں پندرہ فی صد اضافہ کرنا۔
2۔ فی کس آمدنی میں سات فی صد اضافہ کرنا۔ آبادی میں 1.4 فی صد سالانہ اضافے کی توقع تھی۔
3۔ دو ملین نئے افراد کے لیے روزگار مہیا کرنا۔
4۔ برآمدات میں پندرہ فی صد اضافہ کرنا۔
5۔ منصوبے کے اختتام تک ادائیگیوں کے توازن میں دوسو ملین روپے کی بچت کرنا۔
6۔ اناج کی پیداوار میں 9 فی صد اضافہ کرنا۔
7۔ نقد آور فصلوں کی پیداوار میں اضافہ کرنا۔ چند ایک کی تفصیل یوں ہے۔ گنے میں 33 فیصد، کپاس میں 21 فیصد، پٹ سن میں 15 فیصد۔
8۔ صنعتی پیداوار میں ساٹھ فیصد اضافہ کرنا۔ صنعتوں میں سے ہوزری، چینی، کھاد، سیمنٹ اور قدرتی گیس کو اہمیت دینا مقصود تھا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499415886

9- دیہی زرعی و صنعتی ترقیاتی پروگرام کو دیہی آبادی کے ایک چوتھائی پر وسعت دینا تاکہ دیہی علاقوں میں زرعی و صنعتی پیداوار کے طریقوں کو بہتر بنایا جائے۔

10- سولہ لاکھ ایکڑ اراضی کو آب پاشی کی بہتر سہولتیں فراہم کرنا

11- بجلی کی پیداواری استعداد میں تین گنا اضافہ کرنا۔

12- پرائمری سکولوں میں ایک ملین اور ثانوی سکولوں میں قریباً 150 ہزار نئے بچوں کی تعلیم میں اضافہ کرنا اور کم از کم اسی قدر تعداد میں نئے بچوں کو تعلیم کی ترغیب دینا۔

13- نجی بچتوں میں پانچ فیصد سے سات فیصد تک اضافہ کرنا۔

14- 150 ہزار نئے مکانات تعمیر کرنا۔

درج بالا مقاصد اور اہداف کو حاصل کرنے کی غرض سے 10.80 بلین روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس میں سے 7.5 بلین روپے سرکاری شعبہ جات کے لیے اور 3.30 بلین روپے نجی شعبے کے لیے مختص کیے گئے تھے۔

مقاصد کے اعتبار سے یہ منصوبہ نہایت اچھا تھا لیکن باجود اس کے اہداف پورے طور پر حاصل نہ ہو سکے۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس منصوبے پر عمل درآمد 1955ء کی بجائے 1957ء سے ہوا۔ دیگر وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ ہوئی کہ اسی عرصے میں حکومت نے روپے کی بیرونی قدر شرح مبادلہ کم کردی۔ جس سے منصوبے میں لگائے گئے تخمینے کسی حد تک ناقص ہو گئے۔ موسمی حالات کی خرابی اور سیم وتھور کی بنا پر زمین کی تباہی دیگر اہم وجوہات میں شامل ہیں۔

منصوبے کا جائزہ لینے سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:-

1- قومی آمدنی میں 15 فیصد کی بجائے صرف 11 فیصد اضافہ ہوا۔

2- فی کس آمدنی سات فیصد کی بجائے صرف تین فیصد بڑھ سکی۔ اس سلسلے میں یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ آبادی میں اضافے کی شرح قریباً 1.6 فیصد سالانہ رہی۔

3- پانچ سال کے عرصے کے دوران جتنے افراد کام کرنے کے اہل ہوئے۔ اُن میں سے پچاس فیصد سے بھی کم کو روزگار مہیا کیا جاسکا۔

4- زرِ مبادلہ کمانے کے ہدف کو بھی حاصل نہ کیا جاسکا کیونکہ اس عرصے کے دوران میں

MDCAT BY FUTURE DOCTOR YOUSEEF AHMAD-03498815886

برآمدات کو نہ بڑھایا جا سکا بلکہ اُس کے برعکس درآمدات کی مقدار میں اضافہ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ توازن ادائیگی خاصا خراب ہو گیا۔ یہاں تک کہ پہلے چار سالوں کے دوران توازن ادائیگی میں 240 ملین روپے کا خسارہ واقع ہو گیا۔

5۔ اناج کی پیداوار میں بھی نو فیصد کی بجائے صرف چار فیصد اضافہ ہو سکا۔

6۔ موسمی حالات کی خرابی و بعض دیگر وجوہات کی بنا پر دیگر فصلوں کا پیداواری ہدف بھی حاصل نہ کیا جا سکا۔

7۔ اندرون ملک بچتوں کا جو ہدف مقرر کیا گیا تھا وہ بھی پورا نہ ہو سکا۔ ملکی بچتوں کی شرح منفی 21 فیصد تک کم ہو گئی۔

8۔ صنعتی میدان میں البتہ کئی صنعتیں قائم ہوئیں۔ مثلاً کاغذ، نیوز پرنٹ، گتہ، کھاد، کیمیائی اشیاء سے متعلق صنعتیں وغیرہ۔

درج بالا اعداد و شمار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پہلا پانچ سالہ منصوبہ بیشتر میدانوں میں ناکام رہا۔ اس کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے تجربات کی بدولت نئی سوچ اور اندازِ فکر نے جنم لیا۔ جس سے آئندہ کے ترقیاتی منصوبہ جات کو تشکیل دینے میں مدد ملی۔

دوسرا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (1960ء تا 1965ء)

دوسرا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (1960ء تا 1965ء) پہلے منصوبے کی مدتِ اختتام پر اپنایا گیا۔ اس منصوبے کے بڑے بڑے مقاصد اور اُن کے اہداف درج ذیل تھے:-

1۔ قومی آمدنی میں 24 فیصد اضافہ کرنا۔

2۔ فی کس آمدنی میں 10 فی صد اضافہ کرنا۔

3۔ 2.5 ملین نئے افراد کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا۔

4۔ زرعی پیداوار میں چودہ فیصد اضافہ کرنا۔

5۔ بڑی اور اوسط درجے کی صنعتوں کی پیداواری صلاحیت میں 14 فیصد تک اضافہ کرنا۔

6۔ گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کی پیداوار کو 25 فیصد تک بڑھانا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

7۔ برآمدات میں سالانہ تین فی صد اضافہ کرنا۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے مقاصد اور اہداف کو پورا کرنے کے لیے 23 بلین روپے کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ اس رقم میں سے 12.40 بلین روپے سرکاری شعبے میں 3.80 بلین روپے نیم سرکاری شعبے اور 6.80 بلین روپے نجی شعبے میں خرچ کرنے کا اندازہ لگایا گیا تھا۔

باوجود اس بات کے کہ دوسرے ترقیاتی منصوبے میں بھاری صنعت کے قیام اور اُس کی ترقی کو اس کا صحیح مقام نہیں دیا گیا تھا۔ نیز اس منصوبے کے لیے غیر ملکی سرمائے اور امداد پر انحصار کیا جاتا تھا، اس منصوبے کے تحت ملک کی معاشی ترقی کی رفتار خاصی تسلی بخش رہی۔ بعض شعبوں میں تو ترقی اپنے اہداف سے بھی زیادہ ہوئی۔

منصوبے کا جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل نکات توجہ کا مرکز بنتے ہیں:-

1۔ قومی آمدنی میں اضافہ 30 فیصد سے بھی بڑھ گیا۔

2۔ برآمدات میں سات فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہوا۔

3۔ شعبہ صنعت میں 40 فیصد سے زیادہ ترقی ہوئی۔

4۔ زرعی شعبے میں ترقی 15 فیصد سے زیادہ ہوئی۔

5۔ روزگار کے مواقع متوقع حد تک نہ بڑھائے جا سکے۔ اس طرح اس شعبے کی ترقی کی رفتار غیر معیاری رہی۔

تیسرا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ (1965ء تا 1970ء)

تیسرے منصوبے کے بڑے بڑے مقاصد اور اُن کے اہداف درج ذیل تھے:-

1۔ ملکی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا اور قومی پیداوار میں 37 فیصد اضافہ کرنا۔

2۔ فی کس آمدنی میں 20 فیصد اضافہ کرنا۔

3۔ 5.5 ملین افراد کو روزگار مہیا کرنا۔

4۔ زرعی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا اور اس میں پانچ فیصد سالانہ اضافہ کرنا۔

5۔ صنعتی ترقی کی شرح تیرہ فیصد سالانہ تک بڑھانا۔

6۔ علاقائی تفاوت کو ختم کرنا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMED-03498170886

7۔ بنیادی صنعتوں کے قیام کو ترجیح دینا۔

8۔ زرمبادلہ میں اضافہ کر کے ادائیگیوں کے توازن میں استحکام پیدا کرنا۔

9۔ بنیادی سہولتوں میں اضافے کی کوشش کرنا۔

10۔ معاشرتی تحفظ مہیا کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے کل 52 بلین روپے مختص کیے گئے تھے۔ ان میں سے 30 بلین سرکاری شعبہ جات کے لیے اور 22 بلین نجی شعبے کے لیے وقف تھے۔

درج بالا مقاصد و کوائف سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیسرا پانچ سالہ منصوبہ بہت سی خوبیوں کا حامل تھا مگر اس کی ترقی کا جائزہ لینے کے بعد جو تصویر سامنے آتی ہے۔ اس کا خاکہ کچھ یوں ہے:-

1۔ زرعی ترقی کی رفتار متوقع رفتار سے کم رہی یعنی صرف 4.5 فیصد سالانہ ترقی ہو سکی۔

2۔ برآمدات میں 9.5 فیصد اضافے کی توقع تھی مگر اس کے مقابلے میں یہ اضافہ صرف 7 فیصد رہا۔

3۔ صنعتی میدان میں ترقی صرف 9 فیصد ہو سکی حالانکہ یہ ہدف 13 فیصد کا تھا۔

4۔ سرمایہ کاری کی شرح میں قریباً چار فیصد کمی ہوئی۔

مختصراً یہ کہ تیسرا پانچ سالہ منصوبہ پورے طور پر کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا اور بیشتر شعبوں میں مقرر کردہ ہدف تک نہ جا سکا۔ دراصل مشکل حالات نے ابتداء ہی سے تیسرے منصوبے کو گھیر لیا۔ ابتدائی دو سالوں میں ملک کو خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس سے فصلیں بری طرح متاثر ہوئیں۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے دفاعی اخراجات بڑھ گئے۔ جس کی وجہ سے ترقیاتی اخراجات کے لیے مجوزہ وسائل میں کمی پیدا ہو گئی۔ غیر ملکی امداد میں 27 فیصد کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ زرعی ترقی میں کمی ہوئی۔ اندرون ملک حالات ہنگاموں کی نذر ہو گئے۔ جس سے صنعتی پیداوار پر برا اثر پڑا۔ مختصراً تیسرے پانچ سالہ منصوبے کو مجوزہ حقیقی وسائل و سازگار حالات میسر نہ آ سکے جو معاشی ترقی کے پروگرام کے لیے درکار تھے۔

چوتھا پانچ سالہ منصوبہ (1970ء تا 1975ء)

چوتھا پانچ سالہ منصوبہ بیس سالہ تناظری منصوبے (1965ء تا 1985ء) کی تیسری کڑی تھی۔ اس منصوبے کے اہم بنیادی اغراض و مقاصد درج ذیل تھے:-

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMAD-03498815886

1۔ معاشی ترقی کی رفتار کو برقرار رکھنا یعنی قومی پیداوار میں 6.5 فیصد شرح سالانہ سے اضافہ کرنا۔
2۔ 7.5 ملین نئے افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنا۔
3۔ ملک کے مختلف حصوں کے مابین فی کس آمدنی کے فرق کو کم کرنا۔
4۔ غذائی اجناس کی پیداوار میں 8.5 ملین ٹن کا اضافہ کرنا۔
5۔ سماجی انصاف قائم کرنا یعنی قابلِ عمل پالیسیوں کی مدد سے معاشی ترقی اور سماجی انصاف میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔
6۔ برآمدات میں ساڑھے آٹھ فیصد سالانہ اضافہ کرنا۔

ان مقاصد واہداف کے حصول کے لیے 75 بلین روپے مختص کیے گئے تھے۔ ان میں سے 49 بلین سرکاری شعبہ جات کے لیے اور 26 بلین نجی شعبوں کے لیے رکھے گئے تھے۔

چوتھے پانچ سالہ منصوبے پر بوجہ پاک بھارت جنگ و دیگر اندرون ملک ناموافق حالات عمل درآمد نہ ہو سکا اور اس منصوبے کو منسوخ کرنا پڑا۔

ملک میں معاشی و سیاسی حالات کے ناسازگار ہونے کی وجہ سے 1971ء تا 1978ء کے دوران میں سال بہ سال قلیل المیعاد منصوبہ بندی ہی کی جا سکی۔ ماہرین کی رائے میں اوسط المیعاد منصوبہ بندی عدم استحکام کی وجہ سے مشکل ہو جاتی ہے۔ قلیل المیعاد منصوبہ بندی کے ذریعے سے طویل المیعاد منصوبوں کی تکمیل مناسب انداز میں نہیں ہو پاتی۔ یک سالہ ترقیاتی منصوبوں سے عام طور پر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر قلیل المیعاد منصوبہ بندی کی مدد سے معاشی ترقی کی رفتار کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ لہٰذا پانچ سالہ منصوبہ کے دوران میں خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔

پانچواں پانچ سالہ منصوبہ (1978ء تا 1983ء)

پانچویں منصوبے کے بڑے بڑے اہداف مندرجہ ذیل تھے:۔
1۔ قومی پیداوار میں 7.2 فیصد سالانہ اضافہ کرنا۔
2۔ زرعی شعبے میں 6 فیصد سالانہ ترقی کرنا۔
3۔ صنعتی میدان میں مجموعی طور پر 10 فیصد سالانہ کے حساب سے ترقی کرنا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

4۔ اندرونِ ملک بچتوں کی شرح 12.57 فیصد تک بڑھانا۔

5۔ برآمدات میں 11 فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ کرنا۔

6۔ پیٹرولیم کی پیداوار میں اس حد تک اضافہ کرنا کہ کل ضرورت کا 33 فیصد سے زیادہ اندرون ملک پیداوار سے پورا کیا جا سکے۔

7۔ فی کس آمدنی میں 9.2 فیصد تک سالانہ اضافہ کرنا۔

8۔ توانائی کی فی کس پیداوار میں قریباً 42 فیصد اضافہ کرنا۔

9۔ دیہی علاقوں کی ترقی پر زور دینا اور صحت کے شعبے میں ہر جہت سے اضافہ کرنا۔ نئے ہیلتھ یونٹ اور ہسپتال قائم کرنا۔ ہسپتالوں میں مزید بیماروں کے علاج کی گنجائش نکالنا، ڈاکٹروں اور نرسوں کی تعداد میں اضافہ کرنا۔

11۔ بنیادی صنعت اور انجینئرنگ کی صنعت میں سرمایہ کاری کرنا۔

پانچویں پانچ سالہ منصوبے کا تخمینہ 21.02 بلین روپے تھا۔ اس میں سے 14.82 بلین روپے سرکاری شعبہ جات کے لیے اور 6.20 بلین روپے پرائیویٹ شعبے کے لیے مختص کیے گئے تھے۔

پانچواں پانچ سالہ منصوبہ جون 1983ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اس مدت کے دوران بین الاقوامی حالات کافی ناسازگار تھے۔ ترقی پذیر ممالک بالخصوص ان ناسازگار بین الاقوامی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پاکستان بھی ان حالات سے نہ بچ سکا۔ اس کے باوجود یہ منصوبہ بعض شعبوں میں کامیاب رہا۔ حکومت کے ایک جائزے کے مطابق

1۔ پانچویں پانچ سالہ منصوبے نے اپنے نوے فیصد ہدف مکمل کر لیے۔

2۔ ناسازگار حالات کے باوجود 6 فیصد سالانہ اضافے کی شرح کو برقرار رکھا جا سکا۔

3۔ ملک کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں ترقی کی رفتار بہتر ہوئی۔

4۔ صوبہ بلوچستان میں ترقیاتی اخراجات کے ضمن میں پانچ گنا اضافہ ہوا۔

5۔ اس منصوبے کی مدت کے دوران دیہی علاقوں کی ترقی کی طرف بالخصوص توجہ دی گئی۔

6۔ کم از کم 20 فیصد نادار، مفلوک الحال لوگوں کو نظام زکوٰۃ کی بدولت معاشی اعانت ملی۔ سماجی و معاشی انصاف کی طرف یہ ایک بڑا اقدم ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

7۔ خوراک کے معاملے میں کسی قدر خود کفالت ہوئی۔
8۔ افراطِ زر پانچ سال قبل کی شرح 16 فیصد سے کم ہو کر صرف 5 فیصد رہ گیا۔
9۔ صنعتی پیداوار میں 9 فیصد سالانہ ترقی ہوئی۔
10۔ ملکی صنعت میں اضافے کی غرض سے صنعتی چھوٹیں بھی دی گئیں۔
1۔ اس پانچ سالہ منصوبے کے تحت جتنے دیہاتوں کو بجلی فراہم کی گئی ان کی تعداد اس سے قبل کے تیس سالوں سے زیادہ تھی۔

چھٹا پانچ سالہ منصوبہ (1983ء تا 1988ء)

چھٹا پانچ سالہ منصوبہ یکم جولائی 1983ء کو شروع کیا گیا۔ اس منصوبے کے بنیادی مقاصد درج ذیل تھے:-

1۔ معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا۔
2 سماجی انصاف کا احیاء کرنا۔
3۔ دیہی ترقی کو خاص اہمیت دینا۔
4۔ دیہات میں سڑکوں کا جال بچھا کر انھیں شہری منڈیوں کے ساتھ منسلک کرنا۔
5۔ زیادہ سے زیادہ دیہی علاقوں میں بجلی فراہم کرنا تا کہ دیہی معیشت میں ایک خوش گوار انقلاب ممکن ہو سکے۔
6۔ منصوبے کے تحت تعلیم و صحت کے شعبوں کو ترجیح دینا۔
7۔ ملک بھر میں روزگار اور آمدنی میں اضافے کے لیے ایک خاص پروگرام پر عمل کرنا۔
8۔ زکوٰۃ اور نظامِ عشر کے توسط سے 1.5 ملین سے زیادہ مستحقین کی مالی اعانت کرنا۔

ساتواں پانچ سالہ منصوبہ (1988ء تا 1993ء)

ساتویں پانچ سالہ منصوبے کے بنیادی مقاصد کا خاکہ درج ذیل ہے:-

1۔ روزگار کے مواقع فراہم کرنا تا کہ کم از کم تعلیم یافتہ افراد بیروزگاری کا شکار نہ ہوں۔
2۔ بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، رہائش، صحت، تعلیم و دیگر سہولیات کو ترجیحی بنیادوں پر فراہم کرنا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886

3۔ افرادی قوت کو تربیت یافتہ بنانا۔

4۔ ''اپنی مدد آپ'' کے اصول پر کام کرتے ہوئے قومی معیشت کو مضبوط بنانا۔

5۔ نجی شعبے کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے اس کا جائز مقام دے کر ملکی معیشت کے لیے فعال بنانا۔

6۔ غیر ملکی امداد پر کم سے کم انحصار کرنا۔

آٹھواں پنج سالہ منصوبہ (1993ء تا 1998ء)

آٹھویں پنج سالہ منصوبے کے بنیادی مقاصد حسبِ ذیل تھے:-

1۔ قومی آمدنی میں سالانہ 7 فیصد اضافہ کرنا۔

2۔ زرعی شعبہ میں سالانہ 4.9 فیصد اضافہ کرنا۔

3۔ آٹھویں منصوبے کے دوران فی کس آمدنی میں بائیس فیصد تک اضافہ کرنا۔

4۔ 6.2 ملین بے روزگار افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرنا۔

5۔ قومی بچتوں کے تناسب میں 19.9% تک اضافہ کرنا

6۔ آٹھویں منصوبے کے آخر تک بجٹ خسارہ کم کر کے جی۔ڈی۔پی کے 4 فیصد کے برابر لانا۔

7۔ اس منصوبے میں آبادی کی شرح افزائش کو 2.9 فیصد سے کم کر کے 2.7 فیصد تک کرنا۔

8۔ شرح خواندگی میں 48 فیصد تک اضافہ کرنا۔

9۔ بچوں کی شرحِ اموات 86 فی ہزار سے کم کر کے 65 فی ہزار کرنا

10۔ دیہات کی 70.5 فیصد اور شہروں کی 95 فیصد آبادی کو پینے کا صاف پانی مہیا کرنا۔

11۔ ہر یونین کونسل کی سطح پر صحت کی بنیادی سہولیات مہیا کرنا۔

مجموعی جائزہ

پاکستان میں اب تک جتنے بھی پانچ سالہ ترقیاتی منصوبے بنائے گئے ہیں اُن میں کچھ بنیادی کمزوریاں اور تکنیکی خرابیاں ضرور تھیں۔ اس کے علاوہ سیاسی افراتفری، خشک سالی، پاک بھارت جنگیں

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

اور افغان مہاجرین وغیرہ وہ اندرونی و بیرونی وجوہات ہیں جن کی بنا پر کوئی بھی پانچ سالہ منصوبہ اپنے اہداف حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ صرف دوسرا پانچ سالہ منصوبہ (1960ء تا 1965ء) کافی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ تاہم اکنامک سروے آف پاکستان کی تفصیلات کے مطابق (2004ء-2003ء) کے مالی سال کے دوران مہنگائی، بیروزگاری، تجارتی خسارے اور افراطِ زر میں اضافہ ہوا ہے۔ جب کہ بیرونی قرضوں میں کمی واقع ہوئی اور زرِ مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ ہوا۔ فی کس آمدنی 562 ڈالر سالانہ سے بڑھ کر 652 ڈالر ہوگئی۔ نیز حکومت کی آمدنی واخراجات کا توازن حدود میں رہا اور صرف 13 بلین روپے کا فرق رہ گیا ہے۔ جو چند سال پہلے تک 76 بلین روپے تھا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498715986

مشق

1. ذیل میں ہر سوال کے چار متبادل جواب درج ہیں۔ درست جواب کی نشان دہی کیجیے:-

i۔ 2003ء-2004ء میں جی ڈی پی کا کتنا فی صد زراعت سے حاصل ہوا۔
(15فی صد،20فی صد،24فی صد،30فی صد)

ii۔ اس وقت صنعتوں کی پیداوار کا کتنا حصہ زراعت پر مشتمل ہے۔
(40فی صد،50فی صد،60فی صد،65فی صد)

iii۔ ہمارے ہاں زرعی فصلوں کا کتنے فی صد حصہ نباتاتی بیماریوں کے باعث ضائع ہو جاتا ہے۔
(10فی صد،15فی صد،20فی صد،25فی صد)

iv۔ حکومت نے کس سن میں بہت سی صنعتوں کو قومی تحویل میں لیا تھا۔
(1970ء میں،1971ء میں،1972ء میں،1974ء میں)

v۔ ماہرین اقتصادیات کی رائے کے مطابق کسی ملک کے کتنے رقبے پر جنگلات ہوں۔
(25فی صد،40فی صد،60فی صد،80فی صد)

vi۔ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کا آغاز ہوا۔
(1950ء میں،1955ء میں،1960ء میں،1965ء میں)

2. خالی جگہوں کو پُر کریں۔

i. پاکستان ایک ترقی ________ ملک ہے۔

ii. پاکستان میں کاشت کا ________ فی صد حصہ مصنوعی آبپاشی سے سیراب ہوتا ہے۔

iii. پاکستان میں پہلی مرتبہ ________ میں جامع معاشی منصوبہ بندی کا آغاز ہوا۔

iv. قیام پاکستان کے وقت ملک میں صرف ________ میڈیکل کالج تھے۔

3. مختصر جواب لکھیں

i. معاشی منصوبہ بندی کیوں کی جاتی ہے؟

ii. نئی قومی تعلیمی پالیسی (1998ء-2010ء) کے پانچ اہم بنیادی مقاصد کیا ہیں؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

iii. جنگلات کے چند فوائد تحریر کریں۔

iv. پاکستان کی اہم برآمدات بیان کریں۔

4. پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کی صورت حال کا جائزہ لیں۔

5. پاکستان کے زرعی مسائل کو حل کرنے کے لیے حکومت کیا اقدامات کر رہی ہے؟

6. پاکستان کی صنعتی پسماندگی کی وجوہات بیان کریں اور صنعتی پیداوار بڑھانے کے لیے اقدامات تجویز کریں۔

7. پاکستان کی اہم برآمدات اور درآمدات پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

8. پاکستان کی اقتصادی ترقی میں قدرتی وسائل کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

9. پاکستان کی قومی تعلیمی پالیسی (1998ء-2010ء) کے اہم نکات بیان کریں۔

10. آئی ٹی (IT) سے کیا مراد ہے؟ پاکستان میں اس کے فروغ کے لیے کیا کوششیں کی جا رہی ہیں؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03499815886

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کی تعریف

خارجہ پالیسی کسی بھی ملک کی پالیسیوں کے اُس حصے کا نام ہے جس میں کوئی ملک دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کرتا ہے۔ یہ تعلقات ہر ملک اپنے قومی مفادات کو مدِنظر رکھ کر بناتا ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو سکتے ہیں، کیونکہ خارجہ تعلقات کا یہ بنیادی اُصول ہے کہ کسی بھی ملک کا کوئی مستقل دوست یا دشمن نہیں ہوتا بلکہ اُس کے قومی مفادات مستقل اور اہم ہوتے ہیں۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی نکات

پاکستان کی خارجہ پالیسی ملکی مفادات اور ترجیحات کو مدِنظر رکھ کر بنائی گئی ہے۔ اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ پاکستان خارجہ پالیسی میں تبدیلیاں لاتا رہتا ہے تاہم پاکستان کے راہنماؤں نے قومی مفادات کو سامنے رکھ کر خارجہ پالیسی کے چند بنیادی اصول وضع کیے ہیں۔ ان بنیادی اصولوں میں درج ذیل اہم ہیں:-

1۔ اپنی آزادی اور خودمختاری کا تحفظ
2۔ دوسروں کی آزادی، خودمختاری اور اقتدارِاعلیٰ کا احترام۔
3۔ دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سے احتراز۔
4۔ بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کے اُصول کی پابندی۔
5۔ اقوامِ متحدہ کے منشور پر سختی سے عمل۔
6۔ دُنیا میں بنیادی انسانی حقوق، امن اور آشتی کو فروغ دینا۔
7۔ نسلی امتیاز کی مخالفت اور حقِ خودارادیت کی حمایت۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03099815886

8۔ منصفانہ بین الاقوامی معاشی نظام کا قیام۔

9۔ تمام مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ اور اتحاد عالم اسلام

10۔ جنوبی ایشیا میں بہتر تعلقات استوار کرنا اور اس خطہ میں امن و سلامتی کا فروغ

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد

پاکستان 14، اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا اور برطانوی ہندوستان سے خارجہ پالیسی کو ورثے میں پایا۔ البتہ آزادی کے بعد نظریہ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کے مقاصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خارجہ پالیسی کی تشکیلِ نو کی گئی۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے اہم مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:۔

ا۔ قومی سلامتی

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا سب سے اہم مقصد قومی سلامتی و تحفظ ہے۔ پاکستان دُنیا کے نقشے پر نیا نیا اُبھرا تھا اور ضرورت تھی کہ اس کی سلامتی اور تحفظ کا مناسب بندوبست کیا جائے۔ لہٰذا پاکستان نے ملکی سلامتی کو خارجہ پالیسی کی بنیاد بنایا اور بیرونی ممالک کے ساتھ تعلقات میں قومی سلامتی کو ہمیشہ اہمیت دی۔ آج بھی پاکستان کی خارجہ پالیسی میں قومی سلامتی بنیادی نصب العین ہے۔ پاکستان دوسرے ممالک کی علاقائی سالمیت کا احترام کرتا ہے اور دوسرے ممالک سے بھی یہی توقع رکھتا ہے کہ وہ بھی پاکستان کی قومی سلامتی کا احترام کریں۔

۲۔ معاشی ترقی

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور معاشی طور پر اپنی ترقی چاہتا ہے۔ لہٰذا پاکستان اُن تمام ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے جن کے ساتھ تجارت کر کے یا جن سے معاشی مدد حاصل کر کے معاشی طور پر ترقی کر سکے۔ نئے اقتصادی رجحانات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی میں اہم تبدیلیاں کی ہیں۔ خصوصاً آزاد تجارت، آزاد اقتصادیات اور نجکاری کو اپنایا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS - TOUSEEF AHMAD - 03498815886

۳۔ نظریاتی تحفظ

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس کی بنیاد نظریہ پاکستان یا نظریہ اسلام پر ہے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا اہم مقصد پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ ہے۔ پاکستان کا استحکام بھی نظریہ پاکستان کے تحفظ میں مضمر ہے۔ یہ اپنے نظریے کا تحفظ اسلامی ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کر کے ہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا پاکستان نے ہمیشہ اسلامی ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کیے ہیں۔ اس کے تینوں دساتیر میں اسلامی ملکوں کے ساتھ قریبی تعلقات پر زور دیا گیا ہے۔ پاکستان نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم (O.I.C.) اور اقتصادی تعاون (E.C.O.) کی تنظیم کے قیام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ذرائع

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں:۔

ا۔ انتظامی تکون

انتظامی تکون سے مراد قومی سطح کے تین اہم انتظامی عہدے، صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان اور فوج کا سربراہ ہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ضمن میں انتظامی تکون اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ تکون پاکستان کی خارجہ پالیسی کو منظور یا نامنظور کر سکتی ہے۔ موجودہ پالیسی میں تبدیلی لا سکتی ہے یا پالیسی کو بالکل مختلف سمت میں چلا سکتی ہے، لیکن سابقہ پالیسی سے ہٹنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انتظامی تکون عام طور پر سابقہ خارجہ پالیسی کو مدِ نظر ضرور رکھتی ہے یا نئی پالیسی تشکیل دیتے ہوئے بیرونی ممالک سے کیے گئے وعدوں سے منحرف نہیں ہو سکتی۔

۲۔ وزارتِ خارجہ

پاکستانی وزارتِ خارجہ، خارجہ پالیسی تشکیل دیتے ہوئے بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ وزارتِ خارجہ میں عام طور پر خارجہ پالیسی کے ماہرین اور اعلیٰ پایہ کے بیوروکریٹ ہوتے ہیں۔ یہ خارجہ پالیسی کے بنیادی مقاصد اور

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD-03499815886

اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خارجہ پالیسی تیار کرتے ہیں۔ یہ خارجہ پالیسی کی ترجیحات کو سامنے رکھتے ہوئے پالیسی کے منصوبے و پروگرام بناتے ہیں۔ خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ضمن میں انتظامی تکون کی راہ نمائی کرتے ہیں۔ نئی آئینی تبدیلیوں کے مطابق نیشنل سیکیورٹی کونسل اس انتظامی تکون کا نعم البدل بنتی جا رہی ہے۔

۳۔ خفیہ ادارے

پاکستانی خفیہ ادارے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے سلسلے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ادارے دوسرے ممالک کی خارجہ پالیسیوں کے مقاصد کے متعلق مکمل اطلاعات فراہم کرتے ہیں جن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پاکستان اپنی خارجہ پالیسی تشکیل دیتا ہے۔

۴۔ سیاسی جماعتیں و پریشر گروپ

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ضمن میں پاکستان کی سیاسی جماعتیں اور پریشر گروپ بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اپنے منشور میں خارجہ پالیسی کو خاص جگہ دیتی ہیں۔ اگر وہ انتخاب جیت جائیں تو اپنے نقطہ نظر کو خارجہ پالیسی میں پیشِ نظر رکھتی ہیں۔ اسی طرح پریشر گروپ بھی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے عمل کو متاثر کرتے ہیں اور حکومت کو خارجہ پالیسی کی ترجیحات کو وقت کے تقاضوں کے مطابق بدلنے پر مجبور کرتے ہیں

۵۔ پارلیمنٹ

وزارتِ خارجہ انتظامیہ کی ہدایت کے مطابق خارجہ پالیسی تشکیل دیتی ہے اور بعض اوقات قومی اسمبلی اور سینیٹ کے سامنے منظوری کے لیے پیش کرتی ہے۔ بحث و تمحیص کے بعد پارلیمنٹ عام طور پر طے شدہ خارجہ پالیسی کی منظوری دیتی ہے یا اس میں مناسب تبدیلیوں کی سفارش کرتی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS DUE ELAHI AHMAD 03498915886

1. پاکستان چین تعلقات

پاکستان اور چین کے تعلقات ابتداء ہی سے دوستانہ رہے۔ کمیونسٹ انقلاب کے بعد چین کو ابتدائی دنوں میں بین الاقوامی سطح پر کافی سفارتی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن پاکستان نے ہمیشہ چین کی سفارتی تائید کی اور پاکستان نے چین کو اقوامِ متحدہ کا رکن بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

اگرچہ 1950ء کی دہائی میں پاکستان اور چین کے درمیان سرحدی تنازعہ ابھر کر سامنے آیا مگر دونوں ممالک نے خوش اسلوبی کے ساتھ اس تنازعے کو "پاکستان چین سرحدی معاہدے" کے ذریعے حل کرلیا۔

چین اور پاکستان مختلف قسم کے دفاعی، زرعی، ترقیاتی اور صنعتی منصوبوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ دفاعی شعبے میں مشترکہ لڑاکا ہوائی جہاز (JF-Thunder-17) بھی تیار کر رہے ہیں جب کہ چین ہی کے تعاون سے پاکستان کی دوسری بڑی

بندرگاہ گوادر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ان تعلقات کو مزید تقویت دینے کی غرض سے چین کے وزیر اعظم وین جیاباؤ (Wen Jiabao) اپریل 2005ء میں پاکستان کے دورے پر آئے۔اس دورے کے دوران دونوں ممالک نے 22 مختلف قسم کے معاہدوں پر دستخط کیے۔

2. پاکستان اور بھارت کے تعلقات

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک پاکستان اور بھارت کے تعلقات خوشگوار خطوط پر استوار نہیں ہو سکے۔دونوں ممالک کے درمیان مسئلہ کشمیر وجہ تنازعہ ہے۔اس پر اب تک تین جنگیں 1948ء، 1965ء اور 1971ء میں ہو چکی ہیں۔قیام پاکستان کے وقت بھارت نے پاکستان کے لیے کئی مسائل پیدا کیے۔

1960ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان پانی کے مسئلے کے حل کے لیے سندھ طاس معاہدے پر دستخط ہوئے۔عالمی بینک اور دیگر ممالک کی مدد سے منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچا، لیکن بھارت نے اپنے حصے کی رقم دینے سے انکار کر دیا۔

1971ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسند عناصر کی مدد کی جس کی وجہ سے بنگلہ دیش وجود میں آیا۔اس کے بعد پاکستان اور بھارت کے درمیان شملہ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جسے شملہ معاہدہ کہتے ہیں۔اس معاہدے کی رُو سے پاکستان اور بھارت نے اپنے اختلافات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کا اعلان کیا۔

شملہ معاہدہ سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کچھ بہتری آئی اور محدود پیمانے پر تجارت اور مسافروں کی آمدورفت شروع ہوگئی۔اس کے علاوہ 1980ء میں جنوبی ایشیا کی علاقائی تعاون کی تنظیم ''سارک'' (SAARC) کے دائرہ میں دونوں ملکوں میں تعاون بڑھانے کی کوشش کی گئی، جس کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔پاکستان ہمیشہ سے اختلافی اُمور کو حل کرنے کے لیے بھارت کو مذاکرات کی دعوت پر زور دیتا رہا ہے لیکن بھارت نے ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیا ہے۔

1988ء میں ''سارک'' کانفرنس کے موقع پر پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کو ملنے کا موقع ملا جس میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔اس معاہدے کے مطابق دونوں ممالک ایک دوسرے کے جوہری مراکز پر حملہ نہ کرنے کے پابند ہوئے۔

MDCAT BY FUTUREDOCTORS TO ISSEF AHMAD-03098815886

1989ء میں کشمیری مجاہدین نے بھارت کے خلاف جہاد کا آغاز کیا تو بھارت نے پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانا شروع کر دیا۔ پاکستان نے ہندوستان سے کشمیریوں کو حقِ خودارادی دینے کا مطالبہ کیا جس سے بھارت نے مکمل چشم پوشی کی۔

1990ء میں پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کچھ بہتری ہوئی۔ باہمی تجارت اور لوگوں کی آمدورفت بڑھی۔ یہ تعلقات ایک محدود حد سے آگے نہ بڑھ سکے کیونکہ بھارت مسئلہ کشمیر کو منصفانہ طور پر حل نہیں کرنا چاہتا۔ پاکستان اب بھی اپنے اس منصفانہ موقف پر قائم ہے کہ مسئلہ کشمیر بین الاقوامی برادری کی منظور کی گئی اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مظلوم کشمیریوں کی رائے کے ذریعے حل کیا جائے۔ اب اُمید کی جاتی ہے کہ ان دونوں ممالک کے درمیان تعلقات بہتر ہو جائیں گے۔

14 جولائی تا 17 جولائی 2001ء کو پاکستان کے صدر پرویز مشرف اور بھارت کے وزیرِاعظم اٹل بہاری واجپائی کے درمیان ہونے والی اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس آگرہ میں ہوئی۔ جس کا پاکستان اور بھارت کے علاوہ دُنیا بھر میں زبردست شہرہ رہا۔ صدر پاکستان نے مسئلہ کشمیر کا موقف بڑی عمدگی اور جرأت کے ساتھ پیش کیا۔ جس کو پوری دنیا نے سراہا لیکن یہ تین روزہ مذاکرات بغیر حتمی فیصلے کے ختم ہو گئے۔

جنوری 2004ء میں سارک کانفرنس (اسلام آباد) کے دوران صدر پاکستان اور بھارت کے وزیرِاعظم کے درمیان مذاکرات ہوئے اور کئی سمجھوتے طے پائے اور مذاکرات کو جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ستمبر 2004ء کے موقع پر صدر پاکستان اور بھارت کے وزیرِاعظم کے درمیان ملاقات ہوئی اور مذاکرات جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا جس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے وزرائے خارجہ و سیکریٹری خارجہ کی ملاقاتیں جاری ہیں۔

3۔ پاکستان ایران تعلقات

ایران ہمارا مسلمان پڑوسی ملک ہے جس کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کے تعلقات صدیوں پر محیط ہیں۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد ایران سب سے پہلا ملک تھا جس نے پاکستان کو تسلیم کیا۔ پاکستان اور ایران کے تعلقات بہت گہرے اور دوطرفہ مفادات پر قائم ہیں یہی وجہ ہے کہ دونوں ممالک ابتداء ہی سے مختلف قسم کے علاقائی اور بین الاقوامی معاہدوں کے مشترکہ رکن رہے ہیں جن میں درج ذیل قابلِ ذکر

MADE BY FUTURE DOCTORS YOUSEF AHMAD

ہیں۔

علاقائی تعاون برائے ترقی (Regional Cooperation for Development)

اس تنظیم کا قیام جولائی 1964ء کو وجود میں آیا۔ پاکستان اور ایران کے علاوہ اس تنظیم میں ترکی بھی شامل تھا۔ انقلابِ ایران کے بعد اس تنظیم کا نام 1984ء میں تبدیل کر کے ''اقتصادی تعاون کی تنظیم'' (Economic Co-operation Organization - ECO) رکھا گیا۔ ECO کے اغراض ومقاصد میں اقتصادی، فنی اور ثقافتی شعبوں میں باہمی اشتراک کے لیے مؤثر اقدامات قرار پائے۔ 1992ء میں کمیونسٹ سویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد جب وسطی ایشیاء کی مسلمان ریاستیں تاجکستان، ازبکستان، کرغیزستان، ترکمانستان اور قازقستان آزاد ہوئیں تو اُن ممالک کے ساتھ ساتھ افغانستان کو بھی ECO کی رُکنیت دے دی گئی۔

پاکستان اور ایران نے مختلف اوقات میں ایک دوسرے کی بھرپور مدد کی ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان جب دو مواقع 1955ء اور 1963ء پر سفارتی تعلقات منقطع ہوئے تو ایران ہی کی کوششوں سے یہ تعلقات بحال ہوئے۔ اس کے علاوہ 1965ء اور 1971ء کی پاکستان اور بھارت کی جنگوں کے دوران بھی ایران نے پاکستان کی ،اخلاقی اور سفارتی مدد کی۔

اسی طرح پاکستان نے بھی مشکل اوقات میں ایران کی مدد کی کوشش کی۔ جب ایران کے مصر کے ساتھ تعلقات کشیدہ تھے تو پاکستان نے تعلقات کی بحالی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اسی طرح ایران عراق جنگ کے دوران پاکستانی قیادت نے کئی بار جنگ بندی کی غرض سے دونوں ممالک کے دورے کیے۔ پاکستان اور ایران نے دوسرے دوست ممالک کے ساتھ مل کر 1997ء میں ایک اور تنظیم ڈی-ایٹ (D-8) کی بنیاد رکھی۔ 1998ء میں جب پاکستان نے اپنی جوہری صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تو دُنیا کے مختلف ممالک نے پاکستان پر پابندیاں عائد کیں تو اس مشکل وقت میں ایران نے پاکستان کو مختلف شعبوں میں مدد فراہم کی۔ اگرچہ پاکستان اور ایران کے درمیان مختلف اوقات میں معمولی اختلافات بھی پیدا ہوئے لیکن دونوں ممالک کے مضبوط مذہبی اور دوستانہ رشتوں نے ان پر جلد قابو پالیا۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دونوں ممالک کے درمیان مثالی تعلقات قائم ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-03349...

4. پاکستان-امریکہ تعلقات

پاکستان کی شروع ہی سے یہ خواہش تھی کہ دُنیا کے تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرے چونکہ پاکستان اقتصادی لحاظ سے کمزور تھا لہٰذا اُس کی کوشش تھی کہ وسائل سے مالا مال ممالک کے ساتھ قریبی دوستانہ تعلقات قائم کرے۔ انھی اصولوں کو سامنے رکھ کر پاکستان نے امریکہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اگر چہ شروع میں امریکہ نے زیادہ گرم جوشی نہیں دکھائی تاہم 1949ء میں چین کے کیمونسٹ انقلاب نے امریکہ کو پاکستان کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیا۔

1950ء کی دہائی پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس دہائی میں پاکستان امریکی بلاک میں شامل ہوگیا اور امریکہ کے زیرِ سایہ بننے والی سیٹو (SEATO) اور سینٹو (CENTO) کا رکن بھی بن گیا۔ ان معاہدوں کی رُو سے امریکہ نے خفیہ جاسوسوں کی پاکستان کی سرزمین پر تقرری کا حق حاصل کرلیا اور یوں پشاور کے قریب بڈھ بیر کے مقام پر ایک ہوائی فوج کی چھاؤنی بنا دی۔

بعد میں چند واقعات اور امریکہ سے وابستہ توقعات میں ناکامی نے صدر ایوب خان کو اپنی امریکہ سے متعلق خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔ صدر ایوب خان نے نہ صرف امریکہ کو اپنی چھاؤنیاں بند کرنے کا حکم دیا بلکہ دونوں عالمی طاقتوں (امریکہ اور سوویٹ یونین) سے برابری کی پالیسی (Bilateralism) بھی اپنائی۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں کے دوران امریکہ نے پاکستان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ پاکستان پر اسلحہ بھی بند کر دیا چونکہ پاکستان کا زیادہ تر اسلحہ امریکہ سے خریدا گیا تھا لہٰذا امریکی بندش نے پاکستان کی افواج کو زیادہ نقصان پہنچایا۔

1979ء کے اسلامی انقلابِ ایران اور کمیونسٹ فوجوں کی افغانستان میں مداخلت نے ایک دفعہ پھر امریکہ کو پاکستان کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ افغانستان میں کمیونسٹ فوجوں کی مداخلت پاکستان کی سلامتی کے لیے بھی خطرہ تھی۔ لہٰذا دونوں ممالک نے اپنے اپنے مفادات کی خاطر سوویٹ یونین کی افغانستان میں مداخلت کے خلاف اتحاد کر لیا۔

اکیسویں صدی کے اس نئے دور میں پاکستان اور امریکہ ایک دفعہ پھر دوستی کی راہوں پر گامزن ہیں اگر چہ پاکستان کے بہت سارے تجزیہ نگار اب بھی ان تعلقات کو ایک عارضی دور سمجھتے ہیں

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEEF AHMED-03...15886

لیکن امریکی حکومت کے عہدیداروں نے کئی بیانات دیے ہیں جن میں اُنھوں نے بار بار کہا ہے کہ اس دفعہ امریکہ پاکستان کے ساتھ مستقل بنیادوں پر تعلقات برقرار رکھے گا۔ مستقبل میں جو بھی ہو ایک بات بڑی واضح ہے اور ہم سب کو سمجھنا چاہیے کہ بین الاقوامی تعلقات میں نہ تو کوئی مستقل دوست ہوتا ہے اور نہ ہی دشمن۔ مستقل رہنے والی چیز صرف قومی مفادات ہوتے ہیں۔

5. پاکستان افغانستان تعلقات

افغانستان ہمارے پڑوس میں دوسرا اسلامی ملک ہے جس کے ساتھ پاکستان نہ صرف مذہبی بلکہ تاریخی اور ثقافتی رشتوں میں بھی منسلک ہے۔ تاہم باوجود ان تمام رشتوں کے پاکستان بننے کے بعد افغانستان کے ساتھ تعلقات کی ابتداء دوستانہ ماحول میں نہ ہوسکی۔ بلکہ افغانستان وہ واحد ملک تھا جس نے اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی ممبر شپ کی مخالفت کی۔ تاہم پاکستان نے افغانستان کو بین الاقوامی تجارت کے لیے راہ داری (Transit) کی سہولت فراہم کی۔

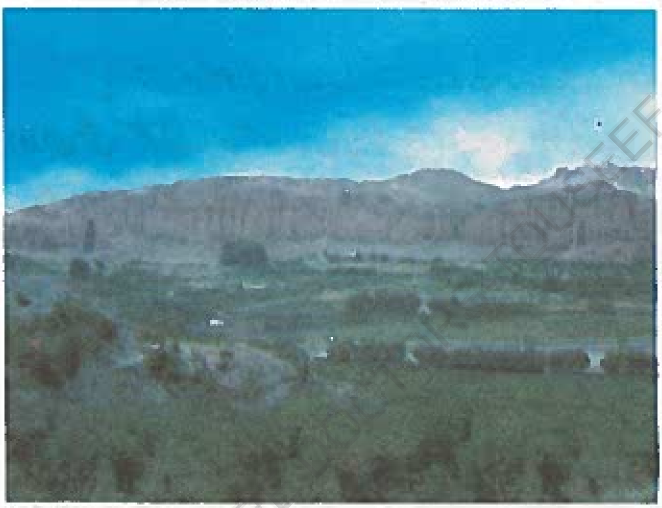

پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں 1978ء کے افغان کمیونسٹ انقلاب نے مزید پیچیدگیاں پیدا کیں جب افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب (جسے ثور انقلاب Saur Revolution کہا گیا) آیا اور افغان عوام نے اس کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی تو پاکستان نے اسلامی جذبے اور ملکی مفاد کی خاطر افغان عوام کی پر جوش حمایت کی۔ لاکھوں کی تعداد میں افغان مہاجرین کو ملک میں پناہ دی اور اُن کا ہر طرح سے خیال رکھا۔

1992ء میں جب افغان مجاہدین نے افغانستان میں حکومت قائم کی تو پاکستان اُن چند ممالک میں سے تھا جنھوں نے نئی حکومت کو تسلیم کیا اور اُس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔ تاہم جلد ہی افغان مجاہدین

کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی۔ پاکستان نے افغان مجاہدین کے درمیان امن قائم کرنے کے لیے کئی کوششیں کیں لیکن یہ کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔ آخرکار 1996ء میں طالبان نے کابل فتح کیا تو پاکستان پہلا ملک تھا جس نے نئی حکومت کو تسلیم کیا اور اُن سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ 11 ستمبر (2001ء) کے واقعات کے بعد امریکہ نے حملہ کر کے طالبان حکومت کا خاتمہ کر دیا اور ان کی جگہ حامد کرزئی کی حکومت قائم ہوئی۔

پاکستان نے حسبِ سابق کرزئی حکومت کو بھی تسلیم کیا اور اُس سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ حامد کرزئی چونکہ بذاتِ خود پاکستان کے دوست ہیں اور پھر پاکستان نے ہمیشہ حامد کرزئی کی حکومت کی حمایت کی لہٰذا اب پاکستان اور افغانستان کے درمیان بہت اچھے تعلقات استوار ہو گئے ہیں۔

پاکستان سعودی عرب تعلقات

پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات بہت دیرینہ ہیں۔ سعودی عرب کی حکومت نے تحریکِ پاکستان کے دوران بھی مسلم لیگ اور مسلمانوں کی بھرپور حمایت کی اور جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو سعودی عرب کے عوام اور حکومت نے پاکستان کے قیام پر خوشیاں منائیں۔ سعودی عرب اُن چند ممالک میں سے ایک ہے جنھوں نے ابتداء ہی میں پاکستان کو تسلیم کیا۔

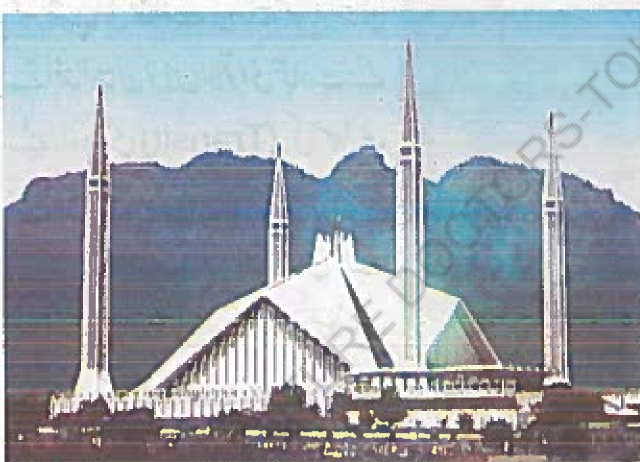

پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان خوشگوار تعلقات وقت کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے اور جب بھی پاکستان کو کوئی مسئلہ درپیش ہوا، سعودی عرب نے ہمیشہ پاکستان کی سفارتی، اخلاقی اور معاشی مدد کی۔ ان تعلقات کو صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں مزید تقویت حاصل ہوئی۔ اس کی خاص وجہ ضیاء الحق اور سعودی عرب کے شاہی خاندان میں ذاتی تعلق بھی تھا۔ جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں سعودی عرب نے پاکستانی ملازمت پیشہ افراد کے لیے ہزاروں ویزے جاری کیے اور پاکستان میں کئی اہم منصوبے شروع کیے۔ سعودی عرب ہی کی

مالی اعانت سے اسلام آباد میں شاندار فیصل مسجد اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی قائم کی گئی ہے۔

سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان فوجی تعاون بھی برقرار ہے۔ پاکستان سعودی عرب کو دفاع کے شعبے میں مختلف قسم کی اعانت دیتا رہتا ہے۔ 1998ء میں جب پاکستان نے ایٹمی تجربہ کیا اور بین الاقوامی برادری نے پاکستان پر کئی قسم کی پابندیاں لگائیں تو سعودی عرب نے پاکستان کے معاشی مسائل کو کم کرنے کے لیے کئی سال تک کروڑوں کا تیل مفت فراہم کیا۔ اکیسویں صدی کی ابتداء ہی سے بین الاقوامی برادری، سعودی عرب اور پاکستان کو بین الاقوامی دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

8، اکتوبر 2005ء کو پاکستان میں جو تباہ کن زلزلہ آیا اور بے انتہا جانی و مالی نقصان ہوا۔ اُس مشکل وقت میں سعودی عرب نے بڑھ چڑھ کر مدد کی۔

بین الاقوامی حالات کا جائزہ - پاکستان کے خارجہ تعلقات کی کامیابیاں اور ناکامیاں

دوسری جنگِ عظیم کے بعد بین الاقوامی سیاست میں سرد جنگ کا آغاز ہوا اور دُنیا دو مخالف اتحادی بلاکوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کو سرمایہ دارانہ یا مغربی اتحاد اور دوسرے کو اشتراکی (کمیونسٹ) یا مشرقی اتحاد کا نام دیا گیا۔ پہلے بلاک کا سربراہ امریکہ جبکہ دوسرے کا روس تھا۔ ایک طویل سرد جنگ کے بعد دسمبر 1991 میں سوویت یونین (کمیونسٹ روس) کا خاتمہ ہوا اور یوں دُنیا میں امریکہ واحد سُپر پاور رہ گیا۔

بین الاقوامی سیاست کے اس نئے رُخ نے امریکہ کو فیصلہ کُن کردار بخش دیا جس کی وجہ سے امریکہ مخالف قوتوں اور ممالک کو سخت دُشواریاں لاحق ہوئیں کیونکہ ان نئے حالات میں امریکہ کسی بھی مخالفت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان حالات میں خاص طور پر مسلمان ملکوں کو کافی دُشواریاں درپیش ہوئیں۔

11، ستمبر 2001ء میں امریکہ پر خودکش حملوں کی وجہ سے افغانستان، امریکہ اور اُس کے اتحادی ملکوں کا نشانہ بنا اور 2003ء میں عراق پر حملہ کیا گیا۔ عراق پر حملے سے پہلے اقوام متحدہ کے مختلف فورم (Forum) پر امریکہ ہی کے اتحادی ممالک فرانس اور جرمنی نے عراق پر امریکی حملے کی سخت مخالفت کی۔ جس کی وجہ سے ان ممالک کے ساتھ امریکہ کے تعلقات کافی حد تک کشیدہ ہوئے لیکن باوجود اس مخالفت کے عراق امریکی حملے کا شکار ہوا۔ امریکہ کے ایران کے ساتھ اسلامی انقلاب کے وقت سے تعلقات خراب ہیں

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUQEER AHMAD-03498575886

امریکہ کی کوشش ہے کہ کسی طرح ایران کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دے۔

ان نئے حالات میں پاکستان کی خارجہ پالیسی میں بھی انقلابی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئیں۔ جب 11 ستمبر 2001ء میں امریکہ پر خودکش حملوں کے بعد امریکہ اور اُس کے اتحادی ممالک کی طرف سے افغانستان میں طالبان حکومت پر دباؤ بڑھا تو پاکستان نے بھی طالبان حکومت کا ساتھ چھوڑ دیا، اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے امریکہ اور اُس کے اتحادی ممالک کے ساتھ شریک ہوگیا۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کشمیر کے محاذ پر بھی کافی دباؤ کا شکار ہوئی۔ بین الاقوامی سیاست میں آزادی کی مسلح تحریکوں کو دہشت گردی کے زمرے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں کشمیر کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہوا اگرچہ پاکستانی راہنماؤں نے مختلف محاذوں پر واضح الفاظ میں دہشت گردی اور آزادی کی تحریکوں میں فرق واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود بین الاقوامی برادری اپنی سوچ تبدیل کرنے پر راضی نہ ہوئی۔ ان بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر پاکستان کو بھی کشمیر پالیسی پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ اگرچہ پاکستان اب بھی کشمیر پر اپنا اصولی مؤقف (یعنی کشمیر کا فیصلہ وہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے) اپنائے ہوئے ہے تاہم اُس کا طریقہ کار اب تبدیل ہوگیا ہے۔ پاکستان کی اب کوشش ہے کہ کشمیر کی تمام مسلح جہادی تنظیمیں بات چیت کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کے حل میں شامل ہوں اور کشمیر کا مسئلہ بات چیت کے ذریعے حل ہو۔

بدلتے ہوئے حالات میں پاکستان کی مدبرانہ پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان کو کافی استحکام حاصل ہوا۔ امریکہ نے پاکستان کو غیر نیٹو دوست ملک کا درجہ دے رکھا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ پاکستان پر ایٹمی دھماکوں کی وجہ سے جتنی پابندیاں لگائی گئی تھیں سب اٹھالی گئیں۔ اربوں ڈالر کی نہ صرف معاشی امداد دی گئی بلکہ امریکہ کی طرف سے فوجی اسلحہ بھی فراہم کرنے کا اعلان ہوا۔ امریکہ کی دیکھا دیکھی دوسرے ترقی یافتہ ممالک نے بھی پاکستان کے ساتھ تعلقات بڑھائے، نہ صرف معاشی مدد فراہم کی گئی بلکہ پاکستان میں سرمایہ کاری بھی کی گئی۔ حکومت کی مثبت خارجہ اور معاشی پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان کی معاشی حالت بہت مستحکم ہوئی۔

موجودہ دور میں پاکستان بین الاقوامی سیاست میں بہت اہم اور مثبت کردار ادا کر رہا ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اگر پاکستان کی خارجہ اور اندرونی پالیسیوں میں تواتر رہا تو انشاءاللہ پاکستان جلد دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو جائے گا۔

مشق

1. ذیل میں ہر سوال کے چار متبادل جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب کا انتخاب کیجیے:-

i۔ پاکستان اور چین کے درمیان سرحدی تنازعہ پیدا ہوا تھا۔

(1950ء میں، 1963ء میں، 1965ء میں، 1971ء میں)

ii۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کی تنظیم قائم کی گئی۔

(1960ء میں، 1964ء میں، 1980ء میں، 1984ء میں)

iii۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کی تنظیم کا نام تبدیل کیا گیا۔

(1962ء میں، 1964ء میں، 1975ء میں، 1984ء میں)

iv۔ پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے۔

(1990ء میں، 1997ء میں، 1998ء میں، 1999ء میں)

v. پاکستان اور بھارت کے درمیان سندھ طاس معاہدہ طے پایا۔

(1950ء میں، 1960ء میں، 1964ء میں، 1971ء میں)

vi. قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والا ملک تھا۔

(افغانستان، ایران، چین، سعودی عرب)

2. خالی جگہوں کو موزوں الفاظ سے پُر کریں۔

۱۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کی تنظیم کا نام ________ میں اقتصادی تعاون کی تنظیم کر دیا گیا۔

۲۔ 1971ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان میں ________ کی مدد کی۔

۳۔ ستمبر 2001ء میں امریکہ پر ________ حملے ہوئے۔

۴۔ پاکستان کو سب سے پہلے ________ نے تسلیم کیا۔

۵۔ امریکہ نے پاکستان کو ________ دوست ملک کا درجہ دے رکھا ہے۔

3. مندرجہ ذیل میں سے صحیح اور غلط جواب الگ الگ کر کے لکھیے۔

۱۔ پاکستان اور افغانستان کے تعلقات ابتدا ہی سے خوشگوار رہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499819886

۲۔ ایران واحد ملک ہے جس نے اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی رُکنیت کی مخالفت کی۔
۳۔ پاکستان نے ہمیشہ نسلی امتیاز کے خلاف آواز اٹھائی۔
۴۔ پاکستان نے 1998ء میں ایٹمی دھماکے کیے۔
۵۔ پاکستان نے طالبان حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

4. کالم ''الف'' میں دیے گئے واقعات کا تعلق کالم ''ب'' میں دیے گئے سالوں سے جوڑیں۔

کالم ''الف''	کالم ''ب''
قیامِ پاکستان	1964ء
پاک چین سرحدی تنازعہ	1960ء
سندھ طاس معاہدہ	1950ء
علاقائی تعاون برائے ترقی کی تنظیم	1947ء
پاکستان کے ایٹمی دھماکے	1979ء
ڈی-ایٹ تنظیم کا قیام	1998ء
ایران میں اسلامی انقلاب	1997ء

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03098815886

5. مختصر جواب دیجیے۔
ا۔ خارجہ پالیسی سے کیا مراد ہے؟
۲۔ خارجہ پالیسی کے پانچ بنیادی اصول لکھیے۔
۳۔ انتظامی تکون سے کیا مُراد ہے؟
۴۔ علاقائی تعاون برائے ترقی
۵۔ وزارتِ خارجہ کے فرائض
۶۔ خارجہ پالیسی میں سیاسی جماعتوں و پریشر گروپ کا کردار
۷۔ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں پر مختصر نوٹ لکھیں۔
۸۔ قومی سلامتی سے کیا مُراد ہے؟

6. خارجہ پالیسی سے کیا مُراد ہے؟ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے ذرائع پر نوٹ لکھیں۔

7. پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد پر جامع نوٹ لکھیں۔
8. پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کا ارتقا بیان کیجیے۔
9. درج ذیل ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کو واضح کیجیے۔

(ا) افغانستان (ب) ایران (ج) سعودی عرب

10. کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کی خارجہ پالیسی کیوں دباؤ شکار رہی؟

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

پاکستان کے مسائل

ہمارا ملک ویسے تو کئی معاشرتی اور معاشی مسائل سے دوچار ہے لیکن ہم صرف چند ایک مسائل پر بحث کریں گے جن کا تعلق بنیادی طور پر تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی سے ہے۔

پاکستان کی آبادی

پاکستان کی آبادی 1947ء میں 33 ملین تھی جو بڑھ کر 2005ء-2004 میں 151.1 ملین ہو گئی یعنی 58 سالوں میں آبادی بڑھ کر چار گنا سے بھی زیادہ ہو گئی۔ اور اب 2017ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی 207.77 ملین سے تجاوز کر چکی ہے۔ اگرچہ شرح اضافہ آبادی جو پہلے 1991ء میں 3.4 فی صد تھی کم ہو کر 1.9 فی صد ہو چکی ہے، اس کے باوجود آبادی میں اضافے کا یہ رجحان ہمارے لیے بہت سے مسائل پیدا کر رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ چھوٹے بچوں اور زیرِ کفالت افراد کی تعداد بڑھ رہی ہے بلکہ بے روزگاری میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم اور صحت کی سہولتوں، رہائش، زراعت اور شہری سہولتوں وغیرہ پر بھی دباؤ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ماحول کی آلودگی اور صحت و صفائی کے مسائل سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔

ذیل میں اضافہ آبادی اور قومی ترقی کے کچھ بنیادی حقائق دیے جا رہے ہیں:

اضافہ آبادی اور ترقی کے بنیادی حقائق

- ☆ پاکستان کا کل رقبہ 796096 مربع کلومیٹر ہے جو دنیا کے کل رقبے کا 0.67 فی صد ہے۔
- ☆ پاکستان کی آبادی 2005ء - 2004ء کے اندازوں کے مطابق 151.1 ملین ہے جو دُنیا کی آبادی کا 2.36 فی صد ہے۔ قیامِ پاکستان (1947ء) کے وقت یہ آبادی 33 ملین تھی۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS- TAUSEEF AHMAD-03409815886

- ☆ اس وقت پاکستان کی آبادی میں 2.9 ملین افراد کا سالانہ اضافہ ہو رہا ہے یعنی ہر منٹ میں 8 بچوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔
- ☆ پاکستان 1950ء میں آبادی کے لحاظ سے دُنیا میں 14 ویں نمبر پر تھا جب کہ 2004ء میں 6 ویں (چھٹے) نمبر پر ہے۔
- ☆ پاکستان میں شرح اضافہ آبادی 1.9 فی صد ہے جو ایشیا کے دیگر کئی ملکوں مثلاً چین، بھارت، سری لنکا اور بنگلہ دیش سے فی الحال زیادہ ہے۔ تاہم بچوں کی اموات اور زچگی کے دوران اموات کا تناسب بھی ایشیا کے دیگر ممالک سے بہت زیادہ ہے۔
- ☆ نومولود بچوں کی شرح اموات 83 فی ہزار زندہ پیدائش (Live Births) ہے۔
- ☆ زچگی کے دوران میں خواتین کی اموات کی شرح 350 فی لاکھ ہے۔
- ☆ پاکستان میں مردوں کی تعداد 52 فی صد اور عورتوں کی تعداد 48 فی صد ہے۔
- ☆ پاکستان میں فی کس آمدنی 652 ڈالر ہے۔ 1950ء میں پاکستان کی فی کس آمدنی 79 ڈالر تھی جب کہ جنوبی کوریا کی فی کس آمدنی 82 ڈالر تھی۔ اب جنوبی کوریا کی فی کس آمدنی 10000 ڈالر ہے۔

بڑھتی ہوئی شرح آبادی معاشی ترقی کو بری طرح متاثر کرتی ہے کیوں کہ شرح معاشی ترقی اور شرح اضافہ آبادی کا قریبی تعلق ہے۔ اگر آبادی میں اضافے کی رفتار زیادہ ہوگی تو بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات یعنی خوراک، لباس، رہائش، تعلیم، صحت اور سہولیات (بجلی، پانی، گیس، ٹیلیفون) وغیرہ میں فوری اضافہ ممکن نہیں ہوتا۔ مذکورہ ضروریات کی طلب اور فراہمی کے درمیان خلا بڑھتا رہے گا۔ دستیاب وسائل دباؤ کا شکار ہوتے رہیں گے اور معیارِ زندگی کم تر ہوتا جائے گا۔ اس کے علاوہ بڑھتی ہوئی آبادی کو موجودہ معاشی معیار پر رکھنے کے لیے بھی کئی گنا زیادہ سرمایہ کاری درکار ہوگی۔

اس وقت ملک میں بے روزگاری کی صورت حال تشویشناک ہے کیونکہ 2004ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں 36 لاکھ افراد بے روزگار ہیں۔ اگر چہ حکومت مختلف اقدامات کر رہی ہے مثلاً چھوٹے چھوٹے منصوبے شروع کیے گئے ہیں۔ چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروبار کے لیے آسان شرائط پر قرض دیا جا رہا ہے۔ دیہات میں محدود روزگار کے مواقع کے باعث دیہی آبادی کی شہروں کی جانب منتقلی سے

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD-03499815886

شہروں پر آبادی کا دباؤ بڑھتا جارہا ہے اور آبادی اور وسائل میں عدم توازن بڑھتا چلا جارہا ہے۔

تعلیم

کسی ملک میں تعلیمی ترقی جانچنے کا ایک اہم معیار وہاں کی شرح خواندگی ہوتا ہے یعنی سو میں سے کتنے افراد خواندہ ہیں۔ حکومت کی کافی کوشش کے باوجود پاکستان کی شرح خواندگی 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 45 فی صد اور 2004ء کے اندازوں کے مطابق 54 فی صد ہے۔ بھارت، چین، سری لنکا اور بنگلہ دیش کی شرح خواندگی پاکستان سے زیادہ ہے۔

سکول جانے والی عمر کے بچوں کی آبادی میں تیز رفتار اضافے کے باعث ایسے تمام بچوں کو تعلیم فراہم کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ تمام بچوں کے پرائمری سکول میں داخلے کا ہدف حاصل کرنا بھی دشوار ہے کیونکہ ان کے لیے سکولوں میں جگہ فراہم کرنے کے لیے بہت زیادہ وسائل درکار ہیں۔ 1990ء میں سکول جانے کی عمر کے (5 سے 9 سال) بچوں کی تعداد ایک کروڑ 63 لاکھ تھی جب کہ آبادی میں مسلسل تیزی سے اضافے کے باعث 2005ء میں سکول جانے کی عمر کے بچوں کی تعداد بڑھ کر 2 کروڑ 70 لاکھ ہو گئی ہے۔ 100 فی صد شرح شمولیت کا ہدف حاصل کرنے کے لیے سکولوں کی تعداد کو بڑھا کر سکول جانے کی عمر کے بچوں کی تعداد کے مطابق کرنا ہوگا۔ آبادی میں مسلسل تیزی سے اضافے کے ساتھ پرائمری سکولوں کی موجودہ تعداد 1 لاکھ 65 ہزار کو بڑھا کر 2025ء میں تقریباً 3 لاکھ کرنی ہوگی جو موجودہ تعداد کے دوگنے کے لگ بھگ ہے۔

جہاں تک سکولوں میں شرح شمولیت کا تعلق ہے تو ذیل کی جدول اس صورتِ حال کو واضح کرتی ہے۔

سطح	مجموعی شرح میں شمولیت فی صد	لڑکوں کی شرح شمولیت فی صد	لڑکیوں کی شرح شمولیت فی صد
پرائمری	85	98	76
مڈل	59	60	49
ثانوی	40	47	34

(بحوالہ اکنامک سروے آف پاکستان 2002ء - 2001ء، صفحہ 121)

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TUSEEF AHMAD 03

دی گئی جدول سے واضح ہے کہ ہمارے ملک میں پرائمری سکول میں جانے والی عمر کے 15 فی صد بچے سکول میں داخل ہی نہیں ہو پاتے جب کہ صرف 40 فی صد بچے پرائمری اور مڈل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ثانوی سطح تک تعلیم حاصل کرتے ہیں جب کہ سری لنکا میں پرائمری سطح پر شرح شمولیت 100 فی صد ہے۔ 2003ء-2002ء میں بھی ہم کوئی زیادہ آگے نہیں بڑھ سکے۔ اس لحاظ سے ہم اپنے ہدف سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

پاکستان کی زراعت

ایک زرعی ملک ہونے کے ناتے پاکستان میں زراعت کو اہم مقام حاصل ہے۔ ملکی معیشت کی ترقی کا دارومدار سب سے زیادہ اسی شعبے پر ہے۔

اس وقت ہماری کل قومی پیداوار کا 24 فی صد زراعت سے حاصل ہوتا ہے اور ملک کے محنت کشوں کی 48.42 فی صد تعداد زراعت سے منسلک ہے۔ اس کے علاوہ ملک کو بیرونی ممالک سے جو زرِ مبادلہ حاصل ہوتا ہے اس کا ایک اچھا خاصا حصہ زرعی شعبے کی اجناس اور مصنوعات کی برآمد سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے بیشتر کارخانوں کا انحصار بھی زراعت کے شعبے پر ہے۔

ملک کی تقریباً 66.5 فی صد آبادی دیہات میں رہتی ہے اور براہ راست یا بالواسطہ زراعت پر گزر اوقات کرتی ہے۔ اگر زراعت میں ترقی ہو تو اس سے نہ صرف ملک کی معاشی ترقی کی رفتار میں اضافہ ہوگا بلکہ ملک کی کثیر آبادی کی حالت میں بھی بہتری آئے گی۔

1947ء میں قیامِ پاکستان کے وقت ملک کا تمام تر انحصار زراعت کے شعبے پر تھا۔ ملک کی 85 فی صد آبادی دیہات میں اور 15 فی صد شہروں میں رہتی تھی۔ تقریباً 75 فی صد لوگ زراعت کے شعبے سے منسلک تھے۔ پاکستان بننے کے بعد زراعت ہی وہ واحد شعبہ تھا جس نے دیگر شعبوں کو ترقی دینے میں مدد کی یہی وجہ تھی کہ زرعی شعبے کی ترقی پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے شعبوں مثلاً صنعت وحرفت نے بھی ترقی کی جس کی وجہ سے آج زراعت پر لوگوں کا انحصار کافی حد تک کم جس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے 1998ء تک زراعت ... کی تعداد 75 فی صد سے کم ہو کر 48.42 فی صد رہ گئی ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS

اگرچہ پاکستان گندم، چاول اور بعض دوسری اجناس میں خود کفالت حاصل کر چکا ہے مگر کچھ دوسری فصلوں کی پیداوار ملکی ضروریات کے مقابلے میں خاصی کم ہے۔ ان فصلوں میں خوردنی تیل اور دالیں قابلِ ذکر ہیں۔ 02-2001ء کے دوران میں خوردنی تیل کی پیداوار 606 ملین ٹن تھی جو ملکی ضروریات کا 29 فی صد تھی۔ اس طرح بقیہ 71 فی صد تیل باہر سے منگوانا پڑا۔

زیادہ پیداوار کے لیے بہتر زرعی مینجمنٹ کی اشد ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں کھادوں، کیڑے مار ادویات کا سائنسی استعمال اور واٹر مینجمنٹ خصوصی توجہ کے متقاضی ہیں۔

اگرچہ زراعت کو دی گئی ترقی سے ملکی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے لیکن ہمارا زرعی شعبہ کئی مسائل کا شکار ہے مثلاً تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے زیرِ کاشت رقبہ کم ہو رہا ہے۔ نسل در نسل تقسیم ہونے کی وجہ سے زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔ فی کس زرعی رقبہ بتدریج کم ہو رہا ہے۔ آب پاشی کے لیے آبی وسائل کم ہو رہے ہیں۔ سیم و تھور سے زمین خراب ہوتی جا رہی ہے۔

صحت

دیگر شعبوں کی طرح پاکستان میں صحت کی سہولتیں بھی تیز رفتار اضافہ آبادی کا مقابلہ نہیں کر سکیں۔ صحت کی سہولتوں میں اضافے کی تمام کوششیں اضافہ آبادی کی وجہ سے رائیگاں گئیں ہیں۔ 2014ء کے اعداد و شمار کے مطابق 1073 افراد کے لیے ایک ڈاکٹر، 2105 افراد کے لیے ایک نرس، 1593 افراد کے لیے ہسپتال کا ایک بستر میسر ہے جو بین الاقوامی معیار سے بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اوسط متوقع عمر 62 سال ہے جو ایشیا کے بعض ملکوں سے بھی کم ہے مثلاً بھارت 63 سال، سری لنکا 73 سال، چین 70 سال، تھائی لینڈ اور فلپائن 69 سال، ملائیشیا 73 سال اور انڈونیشیا 66 سال ہے۔

اگرچہ حکومت صحت کے شعبے پر مناسب توجہ دے رہی ہے اور پرائیویٹ سیکٹر میں بھی نجی ہسپتال اور کلینک کام کر رہے ہیں لیکن ادویات کے مہنگا ہونے اور نجی ہسپتالوں میں علاج انتہائی مہنگا ہونے کے باعث سہولتیں عام لوگوں کی پہنچ سے باہر ہو رہی ہیں۔ اس کے لیے اگر حکومت کی صحت پر مختص کی گئی رقم کا جائزہ لیا جائے تو یہ اور GDP کا تناسب 0.7 فی صد بہت ہی قلیل ہے۔

IDENTITY FUTURE DOCTOR TOUSEEF AHMAD-03495815886

شہری سہولتوں پر دباؤ اور نقل مکانی

اعداد وشمار کے مطابق 33.6 فی صد آبادی شہروں میں رہائش پذیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر تیسرا پاکستانی شہر میں رہتا ہے۔ توقع ہے کہ 2010ء تک یہ شرح 45.4 فی صد ہو جائے گی کیونکہ دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی تیزی سے جاری ہے۔

شہری ترقی اور ان علاقوں میں بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لیے زیادہ سرمایہ کاری درکار ہے۔ پاکستان کی مجموعی آبادی میں سالانہ 1.9 فی صد کا اضافہ شہری آبادی میں اضافے کو مزید تیز کر دیتا ہے۔ اگر ہم اس تیز رفتاری کو مدنظر رکھیں تو شہری زندگی کی بنیادی ضروریات کے لیے مطلوبہ سرمایہ فراہم کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ 04-2003ء میں مکانات کے اعداد وشمار کے مطابق 50 فی صد سے زیادہ گھروں میں شہری زندگی کی بنیادی سہولیات یعنی بجلی، پینے کا صاف پانی، نکاسی آب اور بیت الخلا کی سہولیات موجود نہیں تھیں۔

شہری آبادی میں تقریباً 5 تا 6 فی صد سالانہ اضافے کے باعث زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شہری سہولتوں میں بھی اضافے کی ضرورت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ رہائشی مکانات، ذرائع آمدورفت، بجلی، پانی، نکاسی آب اور پولیس وغیرہ کی خدمات میں اضافے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے کچھ ضروریات نجی شعبہ مہیا کرتا ہے لیکن دوسری ضروریات مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ شہروں میں بنیادی سہولتیں میسر نہ ہوں تو کچی آبادیاں وجود میں آنے لگتی ہیں جو بذات خود ایک بڑا مسئلہ ہے۔ ورلڈ بینک کی سفارشات کے مطابق ایک گھر میں زیادہ سے زیادہ چھے افراد کی رہائش ہونی چاہیے۔ پاکستان کی آبادی 151.1 ملین ہے جس کے لیے 24.8 ملین گھروں کی ضرورت ہے لہٰذا 0.5761 ملین مکانات کی مزید سالانہ ضرورت ہے جب کہ اس وقت 0.270 ملین گھر سالانہ بن رہے ہیں۔

پاکستان میں اضافہ آبادی میں کمی کے بغیر آئندہ 15 تا 30 برسوں میں شہری گھرانوں کو نہ صرف اضافی ضروری سہولتوں کا مہیا کرنا مشکل ہوگا بلکہ آج کے شہری گھرانوں کے لیے موجودہ سہولتوں کو برقرار رکھنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD 03498156886

اضافہ آبادی اور ماحولیاتی آلودگی

ماحولیاتی آلودگی آج کے دور میں کسی فرد، قوم یا ملک کا مسئلہ نہیں بلکہ عالمی مسئلہ ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کا وجود ہماری کائنات میں ہر جگہ محسوس کیا جاسکتا ہے گو یہ کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں اگرچہ آلودگی میں بہت اضافہ ہو رہا ہے لیکن وہاں اس کی روک تھام بھی بہتر طریقے سے کی جارہی ہے۔ ترقی پذیر ممالک یا تیسری دُنیا میں اگرچہ فاضل آلودہ مواد کم پیدا ہو رہا ہے لیکن اس کے مضر اثرات بہت زیادہ ہیں کیونکہ اس کی روک تھام کی طرف قطعاً توجہ نہیں دی جارہی۔ ترقی یافتہ ممالک اپنا معیار زندگی بہتر کرنے کے لیے قدرتی وسائل کو بری طرح تباہ کر رہے ہیں جب کہ تیسری دُنیا کے ممالک اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، مکان، تعلیم اور صحت وغیرہ کو پورا کرنے کے لیے مجبور ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی پیدا کرنے والے عوامل

اضافہ آبادی:

قیامِ پاکستان کے وقت پاکستان کی آبادی 32.5 ملین تھی جب کہ 2004ء میں یہ 151.1 ملین ہوگئی۔ پاکستان میں اضافہ آبادی کی شرح 1.9 فی صد ہے جو دُنیا کے بیشتر ممالک سے زیادہ ہے۔

آبادی کا تیزی سے اضافہ ملکی وسائل پر شدید دباؤ کا باعث بنتا ہے جس سے کئی سیاسی، معاشی، اور سماجی مسائل جنم لیتے ہیں۔ متوازن ماحول کے لیے قدرتی وسائل اور آبادی میں توازن قدرتی اصول کے مطابق بنیادی شرط ہے۔ بڑھتی ہوئی انسانی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جنگلات کی کٹائی، زراعت میں کیمیائی کھادوں اور کیڑے مار دواؤں کا بے دریغ استعمال، زندگی کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور سہولتوں کے لیے کارخانوں کا قیام اور مشینی ذرائع آمدورفت میں اضافہ ہر لمحہ ماحولیاتی آلودگی میں اضافے کا موجب بن رہا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03..985886

شہروں کا پھیلاؤ:

شہروں میں روزگار کے بہتر مواقع، صحت، تعلیم اور تفریح کی وجہ سے بہت سے لوگ دیہات اور قصبوں سے مستقل طور پر شہروں کا رُخ کرتے ہیں۔ آبادی میں قدرتی اضافے اور دیہات سے شہروں میں مسلسل منتقلی سے شہر پھیلتے ہیں اور شہروں کی آبادی میں اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً پچھلے ڈیڑھ سو برس میں لاہور کی آبادی میں سو گنا سے زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ انتقال آبادی سے شہروں کے اردگرد بہت سے کچی آبادیاں وجود میں آتی ہیں جن میں کئی قسم کی شہری سہولتیں مثلاً سڑکیں، بجلی، پانی، گیس، نکاسی آب اور پارک نہ ہونے کے باعث گندگی پھیلتی ہے۔ آبادی کے اس بے ہنگم اضافے سے آلودگی پیدا ہو رہی ہے۔

صنعتیں:

قیامِ پاکستان کے وقت یہاں کوئی قابلِ ذکر صنعت موجود نہ تھی، ہماری معیشت کا انحصار زراعت پر تھا جو ملک کی تمام تر ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی تھی۔ بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، مکان، صحت، تعلیم کے لیے زراعت کے علاوہ دوسرے شعبوں میں زیادہ سے زیادہ صنعتیں لگانے پر زور دیا گیا۔

بڑے شہروں میں اور ان کے اردگرد زیادہ سے زیادہ صنعتیں لگائی جانے لگیں اور یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ ان صنعتوں کا مقصد صرف زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنا تھا جب کہ ان سے نکلنے والے زہریلے مواد کو بغیر صاف کیے یا تلف کیے پانی یا زمین پر پھینکنے سے جو مضر اثرات پیدا ہوئے اس کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچا گیا۔ ان کارخانوں نے جہاں قومی ترقی میں حصہ لیا وہاں آلودگی میں بھی اضافہ کیا جس سے انسانی صحت پر بہت بُرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ٹرانسپورٹ:

بڑھتی ہوئی آبادی کی سفری ضروریات پوری کرنے کے لیے موٹر گاڑیوں کی تعداد میں سالانہ 2 فی صد سے زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک سروے کے مطابق پاکستان میں 70 فی صد موٹر گاڑیاں اپنی عمر پوری کر چکی ہیں اور مضرِ صحت کالا دھواں چھوڑتی ہیں۔ پاکستان میں چونکہ زیادہ تر سیسہ ملا پٹرول استعمال

UPLOAD BY FUTURE DOCTOR-TOUSEEF AHMAD-03...

ہوتا ہے جس سے موٹر گاڑیوں سے خارج ہونے والے دھوئیں کے ساتھ سیسہ بھی خارج ہو کر ہوا، پانی، زمین اور پودوں کی آلودگی کا باعث بنتا ہے۔

کوڑا کرکٹ:

آج کل ڈبوں میں بند کھانے اور پولی تھین لفافوں کے زیادہ استعمال کی وجہ سے کوڑے کرکٹ کی نوعیت اور مقدار میں تبدیلی آتی جا رہی ہے۔ کارپوریشن اور میونسپل کمیٹیاں اس کوڑے کرکٹ کو مناسب طریقے پر ٹھکانے لگانے میں ناکام ہیں۔ گھروں، ہوٹلوں، ہسپتالوں اور صنعتوں سے پیدا ہونے والا کوڑا کرکٹ عام طور پر شہروں کے اندر یا اردگرد نشیبی علاقوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔

گٹر کا پانی:

شہروں میں گٹر کا پانی گھروں، کارخانوں، ہسپتالوں اور لیبارٹریوں کے استعمال شدہ ضائع پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ سیوریج کا یہ زہریلا پانی شہروں کے اردگرد اُگائی جانے والی سبزیوں، چارے اور دیگر فصلوں کی آب پاشی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس طرح گندے پانی میں موجود زہریلے کیمیائی مادے سبزیوں اور فصلوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں زیادہ تر شہروں میں سیوریج کا نظام بہت ناکافی اور ناقص ہے۔ جو بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ گٹر عموماً اُبلتے رہتے ہیں۔

کھاد اور کیڑے مار ادویات:

آبادی میں تیز رفتار اضافے کے باعث کاشتکاری کا فطری نظام تباہ ہو رہا ہے۔ آبادی کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیمیائی کھادیں استعمال کی جا رہی ہیں۔ کیمیائی ادویات اور کیمیائی کھادوں کے استعمال سے زمین کی پیداوار میں اضافہ ضرور ہوتا ہے تاہم ان کے صحیح استعمال سے ناواقف اور غیر منظم استعمال سے زمین اور پودوں پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-YOUSEF AHMAD 03499815886

جنگلات کا کٹاؤ:

جنگلات کسی بھی ملک کے لیے بہت اہم ہوتے ہیں۔ان سے آب وہوا اور ماحول کی اصلاح ہوتی ہے، آلودگی کی سطح کم ہوتی ہے۔زہریلی اور ضرر رساں گیسوں کے اثرات کے تدارک کے لیے زیادہ آکسیجن کی ضرورت ہے جو درختوں سے میسر ہوسکتی ہے، لیکن پاکستان میں جنگلات کی شدید کمی ہے اور ہمارے جنگلات کا رقبہ (ملک کے مجموعی رقبے کا) صرف 4.8 فی صد ہے جب کہ عالمی معیار کے مطابق اسے 25 فی صد ہونا چاہیے۔المیہ یہ ہے کہ موجودہ رقبہ بھی جنگلات کی بے دریغ کٹائی کے باعث مزید کم ہوتا جارہا ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03498315886

مشق

1. ذیل میں ہر سوال کے چار جواب درج ہیں۔آپ درست جواب کا انتخاب کیجیے:۔

i۔ 1947ء میں پاکستان کی آبادی تھی۔

(25ملین،30ملین،33ملین،35ملین)

ii۔ 1950ء میں آبادی کے لحاظ سے پاکستان کس نمبر پر تھا۔

(12ویں،14ویں،16ویں،18ویں)

iii۔ 2004ء کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں بے روزگار افراد کی تعداد ہے۔

(30لاکھ، 32لاکھ،36لاکھ،40لاکھ)

iv۔ 2014ء کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں کتنے افراد کے لیے ایک ڈاکٹر ہے۔

(1400,1073,1000,1088)

v. 2004ء کے اندازوں کے مطابق پاکستان کی شرح خواندگی ہے۔

(40فی صد،45فی صد،50فی صد،54فی صد)

2. خالی جگہوں کو موزوں الفاظ سے پُر کریں:۔

۱۔ پاکستان کا کل رقبہ ________ مربع کلومیٹر ہے۔

۲۔ اس وقت پاکستان کی آبادی میں ________ ملین افراد کا سالانہ اضافہ ہو رہا ہے۔

۳۔ 2004ء میں پاکستان دنیا میں آبادی کے لحاظ سے ________ نمبر پر آ گیا ہے۔

۴۔ پرائمری سکول میں جانے والی عمر کے ________ فی صد بچے سکول میں داخل نہیں ہو پاتے۔

۵۔ 2004ء کے اندازوں کے مطابق ہماری شرح خواندگی ________ فی صد ہے۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS YOUSEEF AHMAD 03499815886

3. مختصر جواب دیجیے:-

۱۔ ملک میں بے روزگاری کی صورت حال کا جائزہ لیں۔

۲۔ بڑھتی ہوئی آبادی کس طرح معاشی ترقی کو متاثر کرتی ہے؟

۳۔ ہمارا زرعی شعبہ کن مسائل سے دوچار ہے؟

۴۔ ماحولیاتی آلودگی پیدا کرنے والے عوامل پر نوٹ لکھیں۔

MDCAT BY FUTURE DOCTORS-TOUSEEF AHMAD-03499815886

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ (سورۃ الاحزاب: آیت ۴۰)

(سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں آخری نبی ہوں۔

میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

MDCAT BY FUTURE DOCTORS TOUSEEF AHMAD 03499815886